اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

(امام ابن قیم رحمہ اللہ۔ التبیان في أیمان القرآن: ص:۳۱۰)

شمارہ نمبر ۸

جلد:۲-شمارہ نمبر:۸-ذوالقعدہ:۱۴۴۵ھ، مئی: ۲۰۲۴ء

اس شمارے میں:

- انکار سنت کی نئی شکلیں
- جہمیہ: عقائد ونظریات کے آئینے میں (قسط اول)
- ابو بکر صدیق : فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط سوم)
- دعوتی امور میں اہل بدعت کے ساتھ شراکت اور منہج موازنات کا جائزہ (قسط اول)
- روافض اور کفار کے مابین اعتقادی، عملی اور فکری مشابہت
- لفظ "منہج" پر اعتراض اور اس کے جوابات (قسط دوم)

اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

دوماہی منہج سلف

جلد:۲-شمارہ نمبر:۸-ذوالقعدہ:۱۴۴۵ھ، مئی:۲۰۲۴ء

زیر اشراف:
فاروق عبداللہ نراین پوری
ابو احمد کلیم الدین یوسف

مدیر:
حافظ علیم الدین یوسف

نائبان:
عبداللہ عبدالرشید مدنی
حافظ فیضان عالم

معاونین:
محمد آصف سلفی
حافظ آفتاب عالم
کامران اشرف سلفی

منہج سلف کے نام سے نشر ہونے والا یہ ایک برقی مجلہ ہے جس کا مقصد خالص سلفی دعوت کی نشر و اشاعت اور منحرفانہ وملحدانہ افکار کی بیخ کنی ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

"جماعت اہل حدیث نے مسلک کی تبلیغ میں ہمیشہ تساہل برتا، ہم اور ہمارے مبلغ اپنے مواعظ وتقاریر میں صلح کل پالیسی اختیار فرماتے رہے، تلخی، تیزی، بدزبانی یقیناً بری چیز ہے لیکن اچھے لفظوں میں حقیقت کی وضاحت میں تساہل کرنا عیب ہے۔ قادیانی، ومنکرین حدیث اپنے خیالات کے اظہار میں جھجھک محسوس نہیں کرتے لیکن ہم لوگ ہمیشہ صلح پسندی میں حقیقت پسندی سے گریز کر جاتے ہیں، اب تو کچھ ایسے حضرات پیدا ہوگئے ہیں جو کہ اہل حدیث کے ذکر سے شرماتے ہیں"۔ (مقدمہ حسن البیان: ص:۱۹)

فہرست عناوین

اداریہ
۳

انکار سنت کی نئی شکلیں
دکتور فاروق عبد اللہ نراین پوری
۴

جہمیہ: عقائد و نظریات کے آئینے میں (قسط اول)
شیخ عبید اللہ الباقی اسلم
۱۷

ابو بکر صدیق ﷛: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط سوم)
حافظ علیم الدین یوسف
خطأ! الإشارة المرجعية غير معرّفة.

دعوتی امور میں اہل بدعت کے ساتھ شراکت اور منہج موازنات کا جائزہ (قسط اول)
ابو المدبح بلال الخليلي
خطأ! الإشارة المرجعية غير معرّفة.

روافض اور کفار کے مابین اعتقادی، عملی اور فکری مشابہت
محمد عمر صلاح الدین
۴۰

لفظ "منہج" پر اعتراض اور اس کے جوابات (قسط دوم)
عبد العزیز یوسف
۵۷

اداریہ

"منہج سلف" علم وعمل کی شاہراہ ہے۔ اس پر چلنے والا نہ فتنوں کا شکار ہوتا ہے اور نہ گمراہ۔ پچھلی قومیں انہی دو امور میں تساہل کے سبب جادہ حق سے بھٹکیں۔ تمام گمراہی اور ہر قسم کے فتنوں کی جڑیں انہی دونوں اسباب سے ملتی ہیں۔ ایک کو شبہات تو دوسرے کو شہوات کے فتنے سے تعبیر کیا جاتا ہے جسے اللہ رب العالمین نے سورہ فاتحہ میں ذکر کیا ہے۔

شبہات کے فتنے میں مبتلا ہونے کا سبب علم سے دوری ہے جس کا علاج حصول علم اور علما کی مجالس کو لازم پکڑنے میں ہے، جبکہ شہوات کا فتنہ عمل میں کوتاہی کے سبب آتا ہے جس کا علاج علم پر عمل کرنا ہے۔

علم حقیقی "قال اللہ و قال الرسول" کا نام ہے جس کی درست تفہیم کی بنا فہم صحابہ پر قائم ہے، لہذا وہ تمام عقائد واعمال جن کی بنیاد علم حقیقی پر نہ ہو وہ فاسد ہیں۔ "منہج سلف" کے علاوہ دیگر تمام مناہج کے ائمہ نے علم اپنے استدلال کی بنا "فلاں اور فلاں' کے قول پر رکھی یا اپنی عقل کو شریعت پر مقدم کیا یا پھر فہم صحابہ پر اپنی یا اپنے جیسے لوگوں کی فہم کو مقدم کیا، نتیجتا گمراہی ان کا مقدر ٹھہری۔

"منہج سلف" کے تمام اعتقادات اور اصول وضوابط پر قرآن وحدیث کے دلائل موجود ہیں نیز اس منہج کی صداقت پر فہم صحابہ کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔

لہذا فتنوں کی بہتات کے اس زمانے میں سلفی علما کی مجلسوں میں حاضری دیں، انہیں اپنا ہمنوا اور پیشوا بنائیں، ان کی تحریر اور تقاریر سے استفادہ کریں نیز اہل بدعت کی مجالس اور ان کے بیانات سننے یا ان کی کتابیں پڑھنے سے اجتناب کریں۔ خالص شے کے میسر ہوتے ہوئے ملاوٹ والی چیز لینا اہل دانش کا کام نہیں۔

فاروق عبداللہ نراین پوری
استاد جامعہ اسلامیہ نورباغ، کوسہ، ممبرا، ممبئی

انکار سنت کی نئی شکلیں

سنت سے انحراف کی تاریخ بڑی قدیم ہے۔ جتنے بھی گمراہ فرقے پیدا ہوئے ان میں ایک مشترک چیز یہ پائی جاتی ہے کہ وہ سنت سے دور ہیں۔ عقلی قیاس آرائیاں، منطق وفلسفہ، اور جدت پسندی کے چکر میں سنت کا کلی یا جزوی انکار ان کی علامت بن گئی ہے۔ بعض نے جہاں کلی طور پر سنت کا انکار کیا، وہیں بعض نے صرف ان احادیث کو ٹارگٹ کیا جو ان کی عقلی اڑان یا تکمیلِ خواہشات کی راہ میں روڑے بن رہی تھیں چاہے وہ صحیحین میں ہی کیوں نہ موجود ہوں۔ اس کے بالمقابل بعض نے دخل اندازی کی راہ اپنائی اور ضعیف وموضوع روایات کو سنت کا درجہ دینا شروع کیا، اور شریعت کے نام پر ایک نئی دکان سجالی۔ دونوں فریق اس باب میں افراط وتفریط کے شکار ہیں۔

اہل سنت والجماعت تمام ابواب کی طرح اس باب میں بھی وسطیت واعتدال پر قائم ہیں، چنانچہ انھوں نے احادیث کی تحقیق وتفتیش کے ایسے اصول وقواعد وضع کیے جن سے بہ آسانی مردود ومقبول کے اعتبار سے مروی احادیث کا درجہ متعین کیا جاسکے۔ اس کے لیے انہوں نے قرآن وحدیث کے استقرا سے شرعی اصولوں پر اپنے قواعد کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ ان اصولوں پر غور کرنے والا یہ پائے گا کہ اس کے ہر ہر قاعدہ پر قرآن یا حدیث کی کوئی نا کوئی دلیل ضرور موجود ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ جس علم کی تعمیر اتنی مضبوط بنیادوں پر کی گئی ہو اس سے جو نتیجہ بر آمد ہوگا وہ اتنا ٹھوس، پر اعتماد، اور قابل یقین ہوگا جس کا مقابلہ دنیا کے کسی عقلی، مادی وعصری علم سے نہیں کیا جاسکتا۔

محدثین کرام نے دن ورات کی انتھک کوششوں سے ان تمام رُوات کی تفصیلی حالاتِ زندگی کو منظر عام پر لایا جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح روایت حدیث سے تھا۔ اس کے تحت انھوں نے ہر راوی کے عقیدہ وعمل، علم حدیث کے ساتھ ان کے مشغلہ وتعلق، فہم وفراست اور ذہنی صلاحیت کو جانچا وپرکھا جو آج علم الرجال اور علم جرح وتعدیل کی شکل میں ہمارے سامنے محفوظ ومدون ہے۔ جس کی مدد سے محدثین کے مسلمہ اصولوں پر ایک ایک حرف حتی کہ زیر وزبر کے فرق تک کی جانچ وپڑتال کی جاسکتی ہے۔

محدثین کے یہاں احادیث کی ردو قبولیت کا یہی معتبر معیار ہے۔ نفسانی خواہشات کا اس میں ذرہ برابر عمل دخل نہیں ہوتا، کوئی محدث کسی حدیث کی تحقیق کے وقت یہ نہیں دیکھتا کہ اس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے یا مخالفت، اس کی نظر فقط اس بات پر ہوتی ہے کہ محدثین کے منہج کے مطابق اللہ کے رسول کی طرف اس کی نسبت کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اگر نسبت ثابت ہو جائے تو بعد میں اس کا نمبر آتا ہے کہ اس کا صحیح معنی ومفہوم کیا ہے۔ اور اس کے لیے وہ سلف صالحین کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ انھوں نے اس کا کیا معنی ومفہوم بیان کیا ہے۔

انکار حدیث در اصل انکار رسالت ہے، بلکہ دیکھا جائے تو انکار شریعت ہی ہے، کیونکہ حدیث رسول کا مقام ومرتبہ شریعت سازی میں وہی ہے جو قرآن کریم کا ہے۔ جس طرح قرآن کریم شریعت کا بنیادی مصدر ہے اسی طرح حدیث رسول بھی۔ لہذا اگر کوئی حدیث رسول کا انکار کر رہا ہے تو در حقیقت وہ رسول اللہ صلی اللہ کی رسالت کا بھی انکار کر رہا ہے، قرآن کریم کا بھی انکار کر رہا ہے، اور نتیجتا یہ شریعت کا ہی انکار ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے بعد واقع ہونے والے تمام فتنوں سے امت کو آگاہ کیا وہیں اس فتنہ کا بھی خصوصی تذکرہ کیا کہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن کی آڑ لے کر سنت رسول کا انکار کریں گے۔ دوسری پیشن گوئیوں کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئی بھی صد فیصد سچ ثابت ہوئی، اور اس امت میں ایک عظیم فتنہ یہ رونما ہوا کہ مختلف اشخاص اور جماعتوں نے سنت رسول کا یا تو کلی انکار کر دیا یا استخفاف اور تشکیک کی راہ اپنائی۔ ہر زمانے میں ایسے منحرفین اور فتنہ پرور موجود رہے جن کا مشغلہ سنت رسول کا استخفاف واستہزا تھا۔ جہاں تک عصر حاضر کی بات ہے تو آج بھی ہمیں انکار سنت کی مختلف شکلیں متحرک اور سرگرم نظر آتی ہیں۔ اس مختصر تحریر میں تمام شکلوں کا احاطہ ممکن تو نہیں البتہ اختصار کے ساتھ بعض جوانب آپ حضرات کے سامنے لانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

۱۔ سنت رسول کو اصول شریعت میں قرآن کریم کے بعد ثانوی حیثیت عطا کرنا:

استخفافِ سنت کی جو مختلف شکلیں عصر حاضر میں رونما ہوئیں ان میں سے ایک شکل یہ تھی کہ بعض منحرفین نے اس بات کا خوب پرچار کیا کہ شریعت سازی میں حدیث رسول کا مقام ومرتبہ قرآن کریم کے بعد ہے۔ قرآن کریم کے درجے میں نہیں۔ یہ در حقیقت سنت رسول کے استخفاف کی ایک شکل ہے۔

مشہور منحرف مفکر امین احسن اصلاحی، اور حمید الدین فراہی وغیرہ نے زور وشور کے ساتھ یہ فکر پیش کی ہے۔ اس فکر کو اس قدر شہرت ملی کہ اچھے خاصے اہل حدیث حضرات بھی بسا اوقات یہی بات دہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب کہ سلف صالحین کا منہج یہ ہے کہ شریعت سازی میں قرآن وحدیث کا مرتبہ بالکل برابر ہے، حدیث کا مرتبہ قرآن سے ذرہ برابر کم نہیں۔ دونوں اللہ کی طرف سے وحی ہیں، اور بلا تقدیم وتاخیر اور بلا تفریق یکساں طور پر مصدر شریعت ہیں۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے الکفایہ (ص۸) میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: ''بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ حُكْمِ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَحُكْمِ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وُجُوبِ الْعَمَلِ وَلُزُومِ التَّكْلِيفِ'' اور اس میں سلف صالحین کا منہج بیان کیا ہے کہ دونوں بلا تفریق مدارج یکساں طور پر مصدر شریعت ہیں۔ البتہ شرف اور نسبت کے اعتبار سے قرآن کا مقام سنت سے اوپر ہے، کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور حدیث گرچہ وحی ہے لیکن کلام الہی نہیں۔ قرآن کی نسبت اللہ کی طرف ہے، اور حدیث کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

۲–سنت اور حدیث میں تفریق کرنا اور صرف سنت کو حجت قرار دینا، حدیث کو نہیں:

بعض مزعومہ مفکرین کے یہاں انکار سنت کی ایک شکل یہ پائی جاتی ہے کہ وہ حدیث وسنت کے درمیان تفریق کرتے ہیں، اور صرف سنت رسول کو حجت مانتے ہیں، حدیث رسول کو نہیں۔

چنانچہ کہتے ہیں کہ سنت وہ ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باربار عمل کیا ہو، جس پر محافظت برتی ہو۔ لہذا سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں، امت کے عملی تواتر پر ہے۔ جس طرح قرآن تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت بھی تواتر سے ثابت ہے۔ اس لیے اگر روایات سنت کے موافق ہو تو فبہا، ورنہ ترجیح سنت (یعنی عملی تواتر) کو حاصل ہوگی، اور حدیث کی کوئی توجیہ کی جائے گی، اور توجیہ نہ ہو سکے تو مجبورا اسے چھوڑنا پڑے گا۔

یہ فکر کتنی خطرناک ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جن اعمال کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو بار انجام دیا ہو، انھیں یہ کہہ کر ردی میں ٹوکری میں ڈال دیا جائے گا کہ یہ حدیث ہے، سنت نہیں۔

جب بھی کسی رائج بدعت پر نکیر کی جائے گی تو عملی تواتر کی بات کہہ کر اسے سنت ثابت کر دیا جائے گا۔

جب بھی کسی غلط طریقہ عبادت پر ٹوکا جائے گا اسے حدیث کہہ کر اور غلط عمل کو سنت کہہ کر رد کر دیا جائے گا۔ حالانکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خود فقہی مذاہب میں عبادات کے طریقوں میں اس قدر اختلاف ہے تو عملی تواتر کون سا ہے جو سنت اور حجت ہے؟

ایک نماز ہی کی مثال لے لیں کہ دنیا کے کتنے خطوں میں اس کے کتنے طریقے رائج ہیں۔ آخر ان میں سے کون سا طریقہ سنت ہے جسے حدیث رسول پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ دراصل انکار حدیث کی ہی ایک شکل ہے۔

۳-حدیث کو صرف ایک تاریخی دستاویز قرار دینا:

راشد شاز، جاوید احمد غامدی اور سلیم جاوید وغیرہ نے انکار سنت کا یہی طریقہ اپنایا ہے۔ یہ حجیت حدیث کا صریح انکار ہے۔

ایسے لوگوں سے سوال ہے کہ پھر وہ نماز، روزے، حج، زکات وغیرہ کی تفصیلات کہاں سے اخذ کرتے ہیں؟

اگر حدیث رسول کی حیثیت شرعی مصدر کی نہیں صرف تاریخی دستاویز کی ہے تو آخر کیونکر غزوہ تبوک کے موقع پر ان صحابہ کرام کو سزائیں دی گئیں جنھوں نے حکم رسول کی تعمیل میں کوتاہی کی تھی؟

کیا انھیں یہ سزا قرآن کی کسی صریح آیت کی مخالفت میں دی گئی تھی؟

کیا صحابہ کرام قرآن وحدیث کے مابین یہ تفریق کرتے تھے؟

بلکہ اللہ تعالی نے قرآن میں اسے منافقین کی صفات میں شمار کیا ہے جو قرآن وحدیث کے مابین تشریعی ناحیہ سے کوئی تفریق کرتے ہیں۔ "وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا". [(۱)]

---

(۱) النساء:٦١.

۴–حدیث رسول کو قرآن کے متعارض دکھا کر انکار کا راستہ اختیار کرنا:

محدثین نے تحقیق احادیث کے جو قواعد بیان کئے ہیں ان میں یہ نہیں ہے کہ کوئی حدیث بظاہر قرآن کے مخالف نظر آئے تو اس کے ثبوت کا انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ اس اصول پر قرآن کا بھی انکار لازم آئے گا، کیونکہ اس کی بعض آیتیں بھی بعض آیتوں کے معارض نظر آئیں گی۔ لیکن بعض مزعوم مفکرین نے صحیح ترین احادیث کے متعلق شکوک وشبہات کے بیج بونے کا یہی طریقہ اپنایا۔ مثلا مولانا مودودی نے ابراہیم علیہ السلام کی کذبات ثلاثہ والی حدیث کو اس لئے غیر مقبول قرار دیا کیونکہ وہ قرآن کی آیت ''وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا'' کے بظاہر متعارض تھی۔ حالانکہ دو کذبات کا تذکرہ توخود قرآن مجید میں آیا ہوا ہے۔

پہلا: "فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ". [۲]

اوردوسرا: "قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ". [۳]

۵–حدیث رسول کو باہم متعارض دکھا کر انکار کا راستہ اختیار کرنا:

یہی بات قرآن کے سلسلے میں بھی کہی جاسکتی ہے، وہاں بھی بعض آیتیں بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہیں تو کیا اسی بنیاد پر قرآن کا بھی انکار کیا جائے گا؟ حالانکہ سچ یہ ہے کہ کتاب وسنت میں کہیں کوئی تعارض نہیں، یہ بس ہمارے فہم کا قصور ہے۔

علمانے اس موضوع پر مستقبل کتابیں تصنیف کرکے ثابت کیا ہے کہ احادیث باہم متعارض نہیں، ان کے مابین جمع وتطبیق ممکن ہے۔

---

[۲] الصافات:۸۸-۸۹.

[۳] الأنبياء:۶۳.

۶- صحابہ کرام کی عدالت پر کلام کرنا، جس کے نتیجے میں پوری ذخیرہ سنت ہی مشکوک ہو جاتی ہے، کیونکہ تمام احادیث انھیں کے طریق سے مروی ہیں:

صحابہ کرام کی عدالت پر کلام کرنا یہ روافض کا طریقہ رہا ہے۔ پوری امت میں روافض کے علاوہ اور کسی فرقے میں یہ ناپاک جراثیم نہیں پائے جاتے تھے، اہل سنت میں تو بالکل نہیں۔

جماعت اسلامی وہ گمراہ جماعت ہے جو اپنے آپ کو اہل سنت کی طرف منسوب کرتی ہے اور صحابہ کرام کے ناموس پر حملے بھی کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرام کی عدالت ہی مجروح ہو گئی تو ان کے طریق سے سنت کا جو ذخیرہ منقول ہو گا وہ کیسے پایہ اعتبار کو پہنچ سکتا ہے۔

۷- تجربات کی بنیاد پر احادیث کا انکار کرنا:

مثلا یاجوج وماجوج اور دجال کے متعلق حدیث جساسہ کو یہ کہہ کر غیر معتبر قرار دینا کہ جدید سائنس نے کائنات کے چپے چپے کی دریافت کر لی ہے، اگر یاجوج ماجوج اور دجال کہیں موجود ہوتے تو ان کا پتہ لگ جاتا۔

حالانکہ سائنس داں خود یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے سمندر کا صرف پانچ فیصد ہی اب تک انکشاف کر پایا ہے۔ یعنی باقی پچانوے فیصد میں کیا کچھ موجود ہے ہمیں اس کا علم ہی نہیں۔ اسی سے مولانا مودودی اور مولانا وحید الدین خان وغیرہ کے اس شبہے کی پول کھل جاتی ہے کہ یہ کتنا پھسپھسا اعتراض ہے۔

نیز یاجوج وماجوج کا ذکر فقط حدیث میں نہیں قرآن میں بھی سورہ کہف میں آیا ہوا ہے، تو کیا اسی بنیاد کی بنا پر قرآن کا بھی انکار کر دیا جائے گا؟

۸- نئے اصول و قواعد وضع کر کے انکار سنت کا راستہ ہموار کرنا:

احناف کے یہاں ابھی حال ہی میں اس طرح کی بعض کوششیں ہوئی ہیں۔ عبد المجید الترکمانی نے ایک کتاب لکھی ہے "دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیہ" جس میں ان احادیث کو نئے قواعد وضع کر کے فقہ حنفی کے مطابق قبول یا رد کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کی وجہ سے زمانے سے احناف کو مطعون کیا جاتا تھا۔

۹-علوم حدیث کا سہارا لے کر بعض ثابت شدہ احادیث کو ضعیف قرار دینا، تاکہ ان کا نام منکرین سنت میں نہ آجائے:

جیسے کہ قرضاوی وغیرہ نے عورتوں کی سیادت وقیادت والی حدیث کو ضعیف کہنے کی کوشش کی ہے۔

اخوانیوں نے صحیح مسلم کی اطاعت امیر والی حدیث کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

محمود سعید ممدوح نے علامہ البانی کے رد میں اپنی کتابوں میں یہی طریقہ اپنایا ہے۔

۱۰-عقل کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے کی بنا پر صحیح احادیث کا انکار کردینا:

اس کی فہرست بڑی لمبی ہے۔ معاصرین میں سرسید احمد خان اس میدان کے سرخیل شمار ہوتے ہیں۔ بے شمار ثوابت اور اصول ایمان کا انھوں نے صرف اس بنا پر انکار کردیا ہے کیونکہ وہ عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتے، گرچہ اس کی دلیلیں قرآن کی آیات اور صحیحین کی احادیث میں موجود ہوں۔ مثلا: فرشتوں کا انکار، شفاعت کا انکار، پل صراط کا انکار، جنت وجہنم کا انکار، عذاب قبر کا انکار، امام مہدی کا انکار، معجزہ شق قمر کا انکار، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بالکلیہ انکار، وغیرہ۔

یہ وہ مسائل ہیں جن پر سلف صالحین کا اجماع ہے، اور جن کے انکار کی وجہ سے صرف صحیح احادیث کا ہی نہیں آیات قرآنی کا بھی انکار لازم آتا ہے۔ اس لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جو منکر سنت ہوتا ہے وہ منکر قرآن بھی ہوتا ہے۔

مولانا وحید الدین خان کا دجال اور علامات قیامت کے متعلق بھی یہی نظریہ ہے، یعنی عقل کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے اس کی من مانی تاویل کرنا جس سے صحیح احادیث کا انکار لازم آتا ہو۔

۱۱-احادیث کی تصحیح کو محدثین کا محض اجتہاد اور زعم باور کرانا:

علامہ شبلی نعمانی نے انکار سنت کے اس طریقے کو اپنی کتابوں میں خوب ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کرکے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اس کی صحت یقینی نہیں ہوتی کیوں کہ استنباط میں جن مقدمات سے اس نے کام لیا ہے، اکثر اس کے ظنیات ہیں۔ اسی طرح حدیث کا حال ہے، کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات واجتہادات پر مبنی ہے۔ ایک محدث یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے اور دوسرا شخص اس کی

صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس ”گناہ“ کا مجرم ہے کہ اس محدث یا محدثین کے اصولِ تحقیق، قواعدِ استنباط، طریقِ روایت، غرض ان کے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے“۔ انتہی کلامہ۔

یہاں انھوں نے جس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے احادیث صحیحہ کے منکر کو محض محدثین کے اجتہادات ومزعومات کا منکر کہاہے خود ان کے کلام میں اس کی تردید موجود ہے۔

ایک فقیہ جن مسائل کے متعلق قرآن یا حدیث سے استنباط کر کے اپنی دانست میں شرعی حکم لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے، اور یہ باطل، یہ جائز ہے، اور یہ ناجائز، یہ واجب ہے اور یہ حرام، تو وہ تمام مسائل یکساں نہیں ہوتے۔ ان میں سے بعض مجمع علیہ ہوتے ہیں، اور بعض مختلف فیہ۔ مختلف فیہ مسائل میں سے بھی بعض میں دلائل اتنے واضح ہوتے ہیں کہ متلاشی حق کے لئے درست نتیجے تک پہنچنا مشکل نہیں ہوتا۔ جبکہ بعض مسائل کے مابین ترجیح بہت مشکل ہوتی ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ وضو نماز کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے تو اس کی یہ بات ہر ایک کے نزدیک مردود ہوگی، کیونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں پوری امت کا اجماع ہے، آپ کو ان سے الگ رائے قائم کرنے کی اجازت ہی نہیں۔

اسی طرح بے شمار احادیث کا معاملہ ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک بالاجماع صحیح ہیں جیسے کہ صحیحین کی روایات، ان کی قبولیت پر پوری امت کا اجماع ہے، یا بالاجماع باطل ہیں جیسے کہ بے شمار موضوع روایات جن کے باطل ہونے پر کوئی اختلاف نہیں۔ ان احادیث میں آپ کو کوئی الگ رائے قائم کرنے کی اجازت ہی نہیں جس طرح کہ مجمع علیہ فقہی مسائل میں اجازت نہیں۔

رہی وہ بعض احادیث جن کے مابین محدثین کے نزدیک اختلاف ہے تو وہ بھی فقہی مسائل کی طرح دو طرح کے ہیں، بعض میں دلائل کی بنیاد پر ترجیح واضح اور بین ہے، متلاشی حق کے لئے صحیح نتیجے تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں۔ جب کہ بعض احادیث کے درمیان ترجیح بہت مشکل ہے۔

محدثین کرام نے شرعی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے استقرا کے بعد یہ قواعد وضوابط وضع کئے ہیں۔ خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے یہ قواعد وضع نہیں کئے گئے کہ ہر کوئی اسے قبول یا رد کرنے میں آزاد ہو، اگر کوئی ان

سے اختلاف کرنا چاہے تو ان کے اصول پر چلتے ہوئے ہی اسے اختلاف کا حق حاصل ہوگا۔ اور خود اسے اس فن میں وہ مقام حاصل کرنا ہوگا جس کے بعد اسے اس میں کلام کی اجازت ہو۔

اس لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ جو حدیث تمام محدثین کے نزدیک بالاجماع صحیح ہو آج کوئی ایسا اصول وضع کرے جس سے اسے ضعیف ثابت کیا جاسکے، یا اس کے برعکس جو ان کے نزدیک بالاجماع باطل ہو آج کوئی کسی نئے اصول کے تحت اسے صحیح ثابت کرسکے۔

اس لئے یہاں "اجتہادات ومزعومات" سے اختلاف کا معاملہ بالکل نہیں ہے، بلکہ قطعی حقائق کے انکار کا معاملہ ہے، وہ بھی بلا معتبر دلیل۔

۱۲- قیاس کے مخالف ہونے کی بناپر احادیث کو قابل حجت نہ ماننا:

مقلدین احناف کے یہاں یہ بیماری بہت پائی جاتی ہے۔ دراصل یہ باطل فکر قدیم زمانے سے موجود ہے۔ زمانہ قدیم میں معتزلہ نے ایک ایسی بدعت کی ایجاد کی تھی جو ان سے پہلے امت کے اندر موجود نہ تھی۔ وہ ہے قیاس کے مخالف ہونے کی صورت میں بعض صحابہ کرام کی روایتوں کو یہ کہہ کر رد کردینا کہ وہ فقیہ نہیں تھے۔ قاضی عیسی بن ابان المعتزلی اس کے علمبردار تھے۔ انکار سنت کی یہ شکل آج بھی موجود ہے۔ متاخرین احناف کے یہاں یہ فاسد اصول خوب رواج پایا اور حدیث مصراۃ وحدیث عرایا وغیرہ کو بے دردی کے ساتھ اس اصول کی بھینٹ چڑھادیا گیا۔

۱۳- اپنی طرف سے حدیث گھڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردینا:

یہ گرچہ انکار سنت نہیں لیکن سنت کے اندر دخل اندازی ضرور ہے۔ اور جس طرح انکار سنت فتنہ ہے اسی طرح دخل اندازی بھی فتنہ ہے۔

اس ناپاک عمل کے مختلف اسباب میں سے ایک اہم سبب کسی تقلیدی مذہب کی نصرت وتائید ہے۔

تقلید کا مرض اتنا خطرناک ہے کہ ایک مقلد سے جو کچھ کرالے کم ہے۔ تقلیدی بیڑیوں میں گرفتار بہت سے اہل علم نصوص کتاب وسنت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور تحریف وتبدیل کرنے تک سے باز نہ آئے۔

انھیں میں سے ایک مثال شیخ حبیب الرحمن اعظمی کی تحقیق سے چھپی مسند حمیدی میں موجود عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نماز میں رفع یدین والی حدیث ہے۔ یہ کتاب اس سے پہلے دار الکتب الظاہریہ سے چھپ چکی ہے۔ اس میں اس کے الفاظ اس طرح ہیں: ”رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه، وإذا أراد أن يركع، وبعد ما يرفع رأسه من الركوع، **ولا يرفع بين السجدتين**“۔ یہی حدیث حبیب الرحمن اعظمی کی تحقیق سے مطبوع نسخ میں اس طرح ہے: ”رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلم إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع **فلا يرفع ولا** بين السجدتين“۔ اس پر انھوں نے لمبا نوٹ بھی چڑھایا ہے اور کہا ہے کہ کسی محدث نے اس روایت کے متعلق کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔ در اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ہیں ہی نہیں، یہ محض تحریف کا نتیجہ ہے۔ شیخ صلاح الدین مقبول حفظہ اللہ نے زوابع فی وجہ السنہ میں متعدد دلائل سے اس کا محرّف ہونا ثابت کیا ہے۔

مقلدین کے یہاں انکار سنت اور حدیث رسول کے ساتھ کھلواڑ کا ایک طریقہ یہ پایا جاتا ہے کہ ایک ہی حدیث کا بعض ٹکڑا اگر ان کے مذہب کی موافقت کر رہا ہے تو اسے قابل حجت مانتے ہیں، اور اسی کے دوسرے ٹکڑے سے ان کے مذہب کی مخالفت ہو رہی ہو تو اسے قابل حجت نہیں مانتے۔

۱۴- افادۂ ظنیت کی آڑ لے کر سنت کا انکار کرنا:

تقریبا تمام منکرین سنت میں مشترک طور پر یہ بیماری موجود رہی ہے۔ شاید ہی کہ کوئی منکر سنت ہو جس نے انکار سنت کا یہ راستہ نہ اپنایا ہو۔ اسی وجہ سے اس فکر کی تردید میں علمانے کافی کچھ لکھا ہے۔

انکار سنت کی چند موجودہ شکلوں کے بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ معاصرین میں انکار سنت کے بعض علمبرداروں کا مختصر اذکر دیا جائے:

معاصرین میں جن حضرات نے انکار سنت کا علم بلند کیا ہے ان میں عالم عرب میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

محمد عبدہ: یہ عقیدے کے باب میں خبر واحد کی حجیت کے منکر ہیں۔ اسلام کے دفاع کے لیے کتاب و سنت کو نہیں بلکہ عقل و منطق کو سب سے بہترین ہتھیار قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر احمد امین: "فجر الاسلام"، "ضحی الاسلام"، اور "ظہر الاسلام" نامی لٹریچر س کے مصنف۔ علم و تحقیق کے نام پر مستشرقین کے شبہات کو ان کا نام لیے بغیر اپنی طرف سے پیش کرکے سنت پر رسول پر یلغار کرتے ہیں، اور خصوصا صحیح بخاری کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

اسماعیل ادہم: مستشرقین سے متاثر ہیں، آزادئ رائے کے نام پر احمد امین وغیرہ کی طرح سنت پر بالعموم اور صحیحین پر بالخصوص شکوک وشبہات کی بیج بوتے ہیں۔

حسین احمد امین: انکار سنت میں اپنے باپ احمد امین سے بھی دو قدم آگے۔ نماز کی فرضیت، حجاب، اور چور کا ہاتھ کاٹنے جیسے متعدد اجماعی مسائل کے منکر ہیں۔

محمود ابوریہ: یہ بندہ نہایت ہی خبیث قسم کا منکرِ حدیث ہے۔ صحابہ کرام پر بالعموم اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بالخصوص سب وشتم کرتا ہے۔ اس نے اپنی دو زہر آلود کتابوں میں صحابہ کرام اور سنت رسول پر طعن و تشنیع کی تمام حدیں پار کردیں، جن کے نام ہیں: ''شيخ المضِيرة أبو هريرة'' اور ''أضواء على السنة المحمدية''۔ اس خبیث کو معتزلہ، شیعہ، اور مستشرقین کی خباثتوں کا معجون مرکب کہا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ان فرقوں کی جانب سے اس کی خوب آو بھگت ہوئی، اور انھوں نے ان کتب کے بے شمار نسخے چھپوا کر تقسیم کیے۔

سید صالح ابو بکر: ''الأضواء القرآنية في اكتساح الأحاديث الإسرائيلية وتطهير البخاري منها'' نامی ایک کتاب تصنیف کی اور اس میں یہ دعوی کیا کہ صحیح بخاری میں سو ایسی احادیث ہیں جو یہود کی طرف سے وضع کردہ ہیں۔ اس کا سب سے اہم مرجع ابوریہ کی کتاب ''أضواء على السنة المحمدية'' ہے۔

احمد زکی ابوشادی: یہ عقل کو بنیاد بنا کر سنتِ رسول کا انکار کرتے ہیں۔

محمد غزالی: یہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے فقہ السیرہ، ہموم داعیہ، قذائف الحق اور السنۃ النبویہ بین اہل الفقہ واہل الحدیث ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان تمام کتب میں انھوں نے استخفافِ سنت کا راستہ اپنایا، اور دعوتی میدان میں مصلحت اور سیاست کے نام پر بہت ساری احادیث پر انگشت نمائی کی۔ احادیث کی رد و قبولیت کا معیار اپنے فہم دین کو قرار دیا۔

اور برملا یہ اظہار کیا کہ حدیثِ ذُباب کے سلسلے میں علمائے حشرات اگر حدیث کی موافقت کریں تو وہ قابل قبول ہے ورنہ نہیں۔ عورت اور مرد کی گواہی میں فرق کا مذاق اڑایا۔ عقیدے کے باب میں اخبار آحاد کی حجیت کا انکار کیا۔

سعید الحوی: حدیث رسول میں رخنہ اندازی کا ایک طریقہ انھوں نے یہ نکالا ہے کہ ضعیف وموضوع روایات کو بھی یہ احتمال پیدا کرکے صحیح کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بہت ساری کتابیں بغداد واندلس کے حوادث میں ضائع ہوگئی ہیں، اگر وہ کتابیں موجود ہوتیں تو ہوسکتا ہے ان میں ایسی اسانید ہوتیں جن کی بناپر ان احادیث کا حکم دوسرا ہوتا۔ چنانچہ اسی کو بنیاد بناکر یہ کسی ایک مذہب کی تقلید کو ہر شخص پر واجب قرار دیتے ہیں، اور یہ تصور دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ تقلیدی مذاہب کی تمام ادلہ صحیح ہیں۔

واضح رہے کہ سعید الحوی کا یہ کوئی نیا شبہہ نہیں ہے، اور زمانۂ قدیم سے علمانے اس کا مدلل جواب دیا ہے۔

جہاں تک برصغیر ہندوپاک کے منکرین سنت یا مشککین کی بات ہے تو ان کی فہرست کافی طویل ہے۔ جن میں سے بعض نام یہ ہیں: مرزا غلام احمد قادیانی، سرسید احمد خان، چراغ علی، عبد اللہ چکڑالوی، محب الحق عظیم آبادی، نذیر احمد دہلوی، احمد دین امرتسری، عنایت اللہ مشرقی، قاضی محمد شفیع، اسلم جیراجپوری، غلام احمد پرویز، شبلی نعمانی، علامہ اقبال، حمید الدین فراہی، امین احسن اصلاحی، ابو الاعلی مودودی، قاری حنیف ڈار، راشد شاز، اور جاوید احمد غامدی، وغیرہ۔

وہیں بعض جمعیات اور ادارے مستقل طور پر اسی ناپاک کام میں سرگرم ہیں، ان کا مشغلہ ہی عوام کے ذہن میں حدیث رسول کی ہیبت اور حجیت کو تار تار کرنا ہے۔ مثلا: جمعیت اہل القرآن (مشہور منکر حدیث غلام احمد پرویز اس کا بانی ہے)، اہل الذکر والقرآن گروپ، امت مسلمہ گروپ، تحریک تعمیر انسانیت، اور طلوع اسلام۔

برصغیر کے منکرین سنت کا تذکرہ کیا جائے اور مولانا مودودی کا نام نہ لیا جائے تو ناانصافی ہوگی۔

مولانا مودودی کو گرچہ صریح منکر سنت نہ کہا جائے لیکن ان کا شمار مشککین میں ضرور ہوتا ہے، انھوں نے صراحت کے ساتھ تو سنت کا انکار نہیں کیا ہے لیکن منکرین سنت کے لیے راستہ ضرور ہموار کیا۔ اس باب میں ان کے انحراف کی بنیادی وجہ اس فن سے کماحقہ متعارف نہ ہونے کے باوجود بیجا دخل اندازی ہے۔ انھوں نے علی الاعلان صراحت کے ساتھ تو انکار سنت کا راستہ نہیں اپنایا لیکن اپنے مختلف مقالات وکتب (خصوصا تفہیمات میں "مسلک اعتدال" کے نام سے موجود مقالے)

میں سنت رسول اور محدثین کے جہود کے متعلق ایسے ایسے اشکالات اور اعتراضات کیے جو در حقیقت منکرین سنت کے اعتراضات ہیں۔ بغیر کسی اصول وضابطے کی پابندی کے ان کے منہج پر تنقیدیں کرتے رہے، ذوق وعقل کو ہی احادیث کی رد وقبولیت کا معیار بنایا۔ ان پر درایت کو نظر انداز کرکے روایت پر پورا اعتماد کرنے کی الزام تراشی کی۔ اپنے ذوق وعقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے صحیحین کی بعض احادیث (مثلاً: ابراہیم علیہ السلام کی کذبات ثلاثۃ والی حدیث، سلیمان علیہ السلام کی ایک ہی رات نوے بیویوں سے مجامعت والی حدیث، اور دجال کے مقید ہونے کے متعلق خبر دینے والی حدیث- جو حدیث جَسَّاسَہ کے نام سے مشہور ہے-) کے متعلق تشکیک کا راستہ اپنایا جو بعد میں منکرین سنت کے لیے نظیر بنا۔ خبر واحد کی ظنیت کا راگ الاپتے رہے اور پورے ذخیرۂ سنت کو ہی ایک طرح سے مشکوک کر ڈالا۔ الغرض منکرین سنت کے لیے چور دروازہ فراہم کرنے اور شک وشبہے کا بیج بونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ ان حلقوں میں ان کی خوب پذیرائی ہوئی اور غلام احمد پرویز وغیرہ نے اس پر خوشی کا اظہار کیا، بلکہ یہاں تک دعوی کیا کہ انکار حدیث کے باب میں ہمارا اور مولانا مودودی کا عقیدہ ایک ہی ہے۔ بلاشبہ ان کا یہ دعوی جھوٹا ہے، لیکن انھیں یہ کہنے کی ہمت اسی لیے ہوئی کیونکہ محدثین کی کاوشوں کا مولانا مودودی کے نزدیک کیا مقام ہے وہ اسے اچھی طرح دیکھ چکے تھے۔

مولانا مودودی کے بعد امین احسن اصلاحی کا نام لینا مناسب ہوگا۔ ایک زمانے میں جماعت اسلامی میں مولانا مودودی کے بعد انھی کا دوسرا مقام تھا، پھر بعد میں جماعت سے الگ ہوگئے۔ انھوں نے بھی حدیث کی رد وقبولیت کا معیار محدثین کے وضع کردہ اصول نہیں بلکہ عقل اور ذوق کو قرار دیا، اور اپنے زعم کے مطابق عقل اور ذوق کے مخالف ہونے کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کی کذبات ثلاثۃ والی حدیث، قصہ غرانیق والی حدیث، اور موسی علیہ السلام کا ملک الموت کو تھپڑ مارنے والی حدیث کا انکار کیا۔

آخر میں بطور تنبیہ ایک چیز ذکر کرنا چاہوں گا، وہ یہ کہ حدیث رسول کے متعلق ایک نیا فتنہ جو بہت زور وشور سے سر اٹھا رہا ہے وہ ہے "بردرس کا اس میدان میں کودنا"۔ چنانچہ آج بہت سارے بردرس ایسے ہیں جو سوشل میڈیا میں احادیث کی تحقیق وتخریج میں سرگرم ہیں، اور علم کی کمی کی وجہ سے ایسی تحقیقات پیش کرتے ہیں جو اہل علم کے مابین کافی مضحکہ خیز ہوتی ہیں۔ حقیقت میں یہ اس مبارک علم اور فن کے ساتھ کھلواڑ کررہے ہیں، جن میں سے بعض کا میں نے اپنے فیس بک سے پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں اس فتنے سے محفوظ رکھے، نیز اس کا قلع قمع کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

عبید اللہ الباقی أسلم
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

جہمیہ: عقائد و نظریات کے آئینے میں (قسط اول)

فرقہ جہمیہ کی تأسیس:

فرقہ جہمیہ دوسری صدی ہجری کے شروع اور تابعین کے دور اخیر میں ظاہر ہوا [۴] جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے۔[۵]

جہمیہ ومعطلہ کے بدعی افکار کا آغاز یوں تو جہم بن صفوان کے استاد جعد بن درہم سے ہوا تھا مگر اس کی نسبت جہم بن صفوان کی طرف دو وجوہات کی بنا پر کی گئی:

۱-جعد بن درہم سے زیادہ جہم بن صفوان نے نفی صفات کے باب میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

۲-جہم بن صفوان نے لوگوں کو اپنے اس باطل مذہب کی طرف دعوت دی، اور خوب نشر واشاعت بھی کی ہے۔[٦]

جہمی افکار کا فتنہ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی خلافت میں خراسان کے علاقے میں ظاہر ہوا[۷]، اس فتنے کے ظہور کے چند بنیادی اسباب تھے:

---

(٤) منهاج السنة النبوية(١/٣٠٩)، ومجموع الفتاوى(١٣/١٧٧)۔

(٥) التنبيه والرد على أهل الأهواء والبدع(ص:٩)۔

(٦) مجموع الفتاوى(١٣/١١٩)۔

(٧) المصدر السابق(٢٠/٣٠١-٣٠٢)۔

۱-سُمَنِیہ نامی فلاسفہ سے تعلق رکھنے والے چند افراد کا جہم بن صفوان سے مناظرہ ہوا؛ جس کی وجہ سے اس نے اللہ تعالی کے اسماء وصفات کا انکار کیا تھا۔ (۸)

۲-جہمیہ کی بدعت مجسمہ کی بدعت کے مقابل میں ظاہر ہوئی تھی۔ (۹)

۳-جہم بن صفوان سنت سے نابلد، اور علم کلام کا خوگر تھا۔ (۱۰)

۴-سب سے پہلے جعد بن درہم سے بدعت تعطیل ظاہر ہوئی تھی؛ جس سے جہم بن صفوان نے کوفہ میں ملاقات کی، اس سے کافی متاثر ہوا، اور اس سے اس کا بیشتر مذہب حاصل کیا۔ (۱۱)

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں اس فتنے کے ظاہر ہونے کے بعد لوگوں میں تشویش کا ماحول پایا جانے لگا (۱۲) کیونکہ:

۱-جہمیہ سب سے پہلا فرقہ تھا جس نے وحی الہی سے معارضہ کیا، اور خود ساختہ عقلی اصولوں کی بنیاد پر اللہ کے اسماء و صفات کا انکار کیا۔ (۱۳)

---

(۸) بیان تلبیس الجہمیۃ (۳/۵۱۲)۔

(۹) الفصل في الملل والأهواء والنحل (۴/۱۵۵)۔

(۱۰) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة (۳/۴۲۳-۴۲۴)۔

(۱۱) مقالات الجهم بن صفوان (ص: ۷۵-۸۱)۔

(۱۲) مجموع الفتاوی (۳۳)۔

(۱۳) درء تعارض العقل والنقل (۵/۲۴۴)۔

۲-جہمیہ کی بدعت ایمانیات میں سے سب سے عظیم باب، اور دین کا سب سے اہم مسئلہ؛ اللہ کے اسماء وصفات پر ایمان رکھنے سے متعلق تھی۔ (۱۴)

چنانچہ جب فرقہ جہمیہ کی بدعت چاروں اطراف پھیلنے لگی تو علماے سلف جیسے: ابراہیم بن طہمان، خارجہ بن مصعب، عبد اللہ بن مبارک، اوزاعی، اور حماد بن زید -رحمہم اللہ- نے اس کی خوب تردید کی۔ (۱۵)

جہمیہ کے اصول:

سُمَنیہ فلاسفہ کی طرف سے یہ شبہ پیش کیا گیا کہ "موجود کا اطلاق صرف محسوس پر ہو سکتا ہے"۔

مناظرہ سُمَنیہ کا خلاصہ یہ ہے:

سُمَنیہ فلاسفہ نے جہم سے کہا: کیا تمہارا یہ گمان نہیں ہے کہ تمہارا کوئی معبود بھی ہے؟!

جہم نے جواب دیا: جی ہاں۔

سُمَّنیہ فلاسفہ نے کہا: کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟

جہم نے جواب دیا: نہیں۔

سُمَنیہ فلاسفہ نے کہا: کیا تم نے اس کا کلام سنا ہے؟

جہم نے جواب دیا: نہیں۔

سُمَّنیہ فلاسفہ نے کہا: کیا تم نے اس کی بو سونگھی ہے؟

جہم نے جواب دیا: نہیں۔

---

(۱۴) مقالۃ التعطیل والجعد بن درھم (ص:۷۶)۔

(۱۵) مجموع الفتاوی (۱۴/۳۵۱)۔

سُمَنیہ فلاسفہ نے کہا: کیا تم نے اسے محسوس کیا ہے؟

جہم نے جواب دیا: نہیں۔

سُمَنیہ فلاسفہ نے کہا: کیا تم نے اس کی کوئی شکل دیکھی ہے؟

جہم نے جواب دیا: نہیں۔

اس کے بعد الزامی طور ان فلاسفہ نے کہا کہ: پھر تمہیں کیسے یہ پتہ کہ وہ تمہارا معبود ہے؟!

ان سوالات سے جہم پریشان ہو گیا، چالیس دنوں تک نماز نہیں پڑھی، اس درمیان اسے یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ کس کی عبادت کرے![16]

پھر اس کے بعد اس نے روح کو بطور دلیل پیش کیا کہ وہ موجود ہے؛ مگر محسوس نہیں کی جاسکتی ہے[17]، اسی طرح رب بھی ایک شیء معقول ہے؛ جسے خارج ذہن محسوس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اپنی اس دلیل سے وہ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوا کہ ضروری نہیں ہے کہ صرف محسوس ہی موجود ہو بلکہ غیب بھی موجود ہو سکتا ہے۔

پھر اس نے اللہ تعالیٰ سے متعلق کتاب و سنت میں دو اہم چیزوں کو پایا:

۱-اللہ تعالیٰ غیب ہے۔

۲-اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام وصفات ہیں۔

---

(۱٦) الرد علی الجهمية والزنادقة (ص:۹۴)۔

(۱۷) التسعينية (۱/۲۴۷)۔

لہذا اس نے سب سے پہلے یہ طے کیا کہ "غیب وہ ہے جس کا ادراک حواس سے نہ کیا جا سکے"، اور اسی اصل کے تحت اس نے اللہ تعالی کے اسماء وصفات کا انکار کیا۔

جہم بن صفوان کی نفی صفات دو مقدموں اور ایک نتیجے پر مبنی تھی:

مقدمہ اولی: صفتیں محسوس کی جاتی ہیں۔

مقدمہ ثانیہ: اللہ تعالی غیب ہے؛ اور غیب وہ ہے جو محسوس نہ کیا جا سکے۔

نتیجہ: اللہ صفتوں سے متصف نہیں ہے۔

اسی طرح اس کی نفی اسماء حسنی بھی دو مقدموں اور ایک نتیجے پر مبنی تھی:

مقدمہ اولی: اسماء الفاظ ہیں، اور ہر لفظ کا معنی ہوا کرتا ہے، اور معنی محسوس کیا جاتا ہے۔

مقدمہ ثانیہ: اللہ تعالی غیب ہے؛ اور غیب وہ ہے جو محسوس نہ کیا جا سکے۔

نتیجہ: اللہ تعالی کسی بھی اسم سے موسوم نہیں ہے۔ (۱۸)

مذکورہ سطور سے واضح ہے کہ جہم بن صفوان کے ذہن میں فکرہ تعطیل "شبہ تشبیہ" سے قائم ہوا تھا؛ گویا نفی اسماء و صفات کے باب میں جہمیہ کا سب سے بنیادی اصول: "تنزيه الله عز وجل عن التشبيه" ہے۔

اور اسی اصل "شبہ تشبیہ" کی بنیاد پر جہمیہ کے نزدیک ہر وہ اسم وصفت جس کا اطلاق مخلوق پر ہوتا ہے، اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے مخلوق کے ساتھ خالق کی تشبیہ لازم آتی ہے۔ (۱۹)

---

(۱۸) یہ معلومات استاذ محترم دکتور ابو سیف الجہنی / حفظہ اللہ کے دروس سے مستفاد ہیں۔

(۱۹) النفي في صفات الله عز وجل بين أهل السنة والجماعة والمعطلة للدكتور أبي محمد أرزقي (ص: ۵۲۷)۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور اس -جہم- نے گمان کیا کہ جس نے اللہ کو اس کے بیان کردہ اوصاف یا اس کے رسول کے بیان کردہ اوصاف کے ساتھ متصف کیا وہ کافر ہے، اور وہ مشبہ میں سے ہے"۔ (۲۰)

شہرستانی فرماتے ہیں: وہ -جہم- کہتا تھا کہ: "اللہ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف قرار دینا جائز نہیں ہے، جس سے کوئی مخلوق موصوف ہو، کیوں کہ یہی تشبیہ کا تقاضا ہے..."۔ (۲۱)

جہمیہ کا یہ دعوی باطل ہے:

۱-اللہ تعالی کی ان تمام صفات کو بغیر کسی تحریف وتعطیل، اور بغیر تکییف وتمثیل کے ثابت کرنا واجب ہے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے لئے ثابت کیا ہے، یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ثابت فرمایا ہے۔

۲-ہر موصوف کی صفات اسی کے لائق ہوا کرتی ہیں؛ لہذا اللہ تعالی کی صفات اس کی ذات کے عین مطابق ہیں، جبکہ مخلوقات کی صفات ان کے مناسب ہیں۔

۳-نام کی مماثلت سے حقیقت میں مماثلت لازم نہیں آتی ہے؛ لہذا اللہ کے ہاتھ اور انسان کے ہاتھوں کا نام ایک ہی ہے مگر حقیقت مختلف ہے۔

۴- اللہ تعالی اپنی ذات، صفات، افعال، اسماء، بلکہ ہر چیز میں اکیلا، تنہا، اور یکتا ہے: {قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ} [سورۃ الإخلاص (۱)]، اس کا کوئی مثیل اور شبیہ نہیں: {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} [سورۃ الشوری:۱۱]؛ لہذا خالق کو کسی مخلوق کا مثیل قرار دینا جائز نہیں ہے: {فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ} [سورۃ النحل:۷۴]۔

---

(۲۰) الرد علی الجهمية والزنادقة (ص:۲۷-۲۸)۔

(۲۱) الملل والنحل (ص:۸۶)۔

جہمیہ ومعطلہ کے فکری مآخذ:

جعد بن درہم نے فکرہ تعطیل ابان بن سمعان رافضی، اور ابان نے طالوت یہودی سے، اور طالوت نے لبید بن اعصم یہودی سے حاصل کیا تھا، اور یہ وہی لبید ہے جس نے نبی کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- پر جادو کیا تھا۔ (۲۲)

جہمیہ ومعطلہ کے افکار جن باطل فرقوں کے افکار ونظریات سے مأخوذ ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱-رافضی افکار۔

۲-یہودی افکار۔

۳-فلاسفہ مشرکین کے افکار۔

۴-گمراہ صابئہ کے افکار۔ (۲۳)

فرقہ جہمیہ کے عقائد:

۱-اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کیا ہے۔ (۲۴)

۲-ان کے زعم کے مطابق قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ (۲۵)

۳-اللہ تعالیٰ کی صفت علو، اور صفت استوا کا انکار کیا ہے۔ (۲٦)

(۲۲) الفتاوی الحمویۃ الکبری (ص:۲۴-۲۵)، ومجموع الفتاوی (۵/۲۰-۲۱)، ودرء تعارض العقل والنقل (۱/۳۱۳)۔

(۲۳) مجموع الفتاوی (۵/۲۰، و۱۲/۳۵۱-۳۵۳)۔

(۲٤) المصدر السابق (۱۳/۱۱۹)۔

(۲٥) الرد علی الجہمیۃ والزنادقۃ (ص:۲۱۲)۔

۴-دیدار الہی کا انکار کیا ہے۔(۲۷)

۵-تقدیر کے باب میں جبریہ کا طریقہ کا اپنایا ہے۔(۲۸)

۶-بعض فرشتوں (منکر و نکیر، ملک الموت، اور کرام کاتبین) کا انکار کیا ہے۔(۲۹)

۷-عذاب قبر، میزان، صراط، اور شفاعت کا انکار کیا ہے۔(۳۰)

۸-ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت و جہنم کی تخلیق اب تک نہیں ہوئی ہے۔(۳۱)

۹-جنت و جہنم سمیت ان میں داخل ہونے والے تمام لوگوں کے فنا ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔(۳۲)

۱۰-مذہب جہمیہ کی مخالفت میں وارد تمام احادیث کا انکار کیا ہے۔(۳۳)

۱۱-ایمان کے تعلق سے کہتے ہیں کہ یہ محض دلی معرفت کا نام ہے۔(۳۴)

---

(۲٦) المصدر السابق (ص:۱۰۵)۔

(۲۷) مجموع الفتاوى (۴/۱۹۲)۔

(۲۸) المصدر السابق (۸/۴٦۰)۔

(۲۹) التنبيه والرد على أهل الأهواء والبدع (ص:۱۰۷، ۱۱۷، ۱۱۸)۔

(۳۰) المصدر السابق (ص:۱۰۷، ۱۱۷، ۱۱۸)۔

(۳۱) المصدر السابق (ص:۱۳۷)۔

(۳۲) الملل والنحل (۱/۷۴)۔

(۳۳) الرد على الجهمية والزنادقة (ص:۲۰۵-۲۰٦)۔

۱۲-ان کاعقیدہ ہے کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔(۳۵)

۱۳-امر بالمعروف والنھی عن المنکر کی آڑ میں مسلم حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔(۳۶)

۱۴-ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو بلا کسی گناہ کے سزا دے سکتا ہے۔(۳۷)

جہمیہ کے بارے میں اہل علم کے چند اقوال:

علماء سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ "جہمیہ" امت محمدیہ کے تہتر (۷۳) فرقوں میں سے نہیں ہیں، بلکہ انہیں ان کے اعتقادات کی بنیاد پر دین سے خارج بتایا ہے۔

- حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے جہمیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا: "جہمیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں ہی نہیں (۳۸)۔ یعنی: وہ اپنے عقائد و نظریات کی بنیاد پر دین سے خارج ہیں۔
- عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "خواہش پرستوں میں جہمیوں سے زیادہ بدتر کوئی نہیں ہے؛ جن کے عقیدہ کا مدار یہ ہے کہ: آسمان میں (معبود نامی) کوئی شیء نہیں ہے، اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ ان سے شادی بیاہ کا نہ تعلق رکھا جائے، اور نہ ہی انہیں وراثت میں حصہ دیا جائے"۔(۳۹)

---

(۳٤) مقالات الإسلامیین (ص:۱۰۴-۱۰۵)۔

(۳٥) الرد علی الجھمیۃ والزنادقۃ (ص:۲۸۸)۔

(۳٦) مقالات الإسلامیین (ص:۲۷۹)، والفرق بین الفرق (ص:۲۰۰)۔

(۳۷) مجموع الفتاوی (۱۱/۶۷۶)۔

(۳۸) الفتاوی الکبری (۴/۱۹۴-۱۹۵)۔

(۳۹) السنۃ لعبد اللہ بن احمد (۱/۱۵۷)۔

- یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"جہم اور اس کے متبعین پر اللہ کی لعنت ہو، وہ کافر، اور اللہ (کے اسماء وصفات کا) منکر تھا"۔ (۴۰)
- امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"میں نے یہود و نصاری، اور مجوسیوں کے کلام پر غور کیا تو کفر کے باب میں جہمیہ سے بڑھ کر کسی کو گمراہ نہیں پایا"۔ (۴۱)
- امام دارمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"جہمیہ ہمارے نزدیک اہل قبلہ (مسلمانوں) میں سے نہیں ہیں۔ (۴۲)

خلاصہ کلام:

علماء سلف نے "جہمیہ" کو امت محمدیہ کے تہتر (۷۳) گمراہ فرقوں میں شمار ہی نہیں کیا ہے، بلکہ انہیں کافر گردانا ہے۔

---

(٤٠) المصدر السابق (۱/۱۵۷)۔

(٤١) خلق أفعال العباد (ص:۳۳)۔

(٤٢) الرد علی الجهمية (ص:۱۷۳)۔

حافظ علیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ: فضیلت، خلافت اور روافض کے بعض شبہات (قسط سوم)

خلافت کے مسئلے میں نصوص موجود ہونے کے باوجود صحابہ کرام نے آپس میں اختلاف کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انصار نے اسلام کے تئیں اپنی خدمات اور قربانیوں کے پیش نظر خود کو امر خلافت کا زیادہ حق دار سمجھا، لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ خلیفہ صرف قریش میں سے ہی ہو سکتا ہے تو سعد رضی اللہ عنہ نے فوراً اسے تسلیم کیا اور خلافت کے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے۔ مسند احمد میں اس واقعہ کے تعلق سے وارد حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عن حميد بن عبد الرحمن قال: توفي رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وأبو بكر في طائفة من المدينة، قال: فجاء فكشف عن وجهه فقبله وقال: فداك أبي وأمي، ما أطيبك حيا وميتًا، مات محمد – صلى الله عليه وسلم – ورب الكعبة، فذكر الحديث، قال: فانطلق أبو بكر وعمر يتقاودان حتى أتوهم، فتكلم أبو بكر ولم يترك شيئاً أنزل في الأنصار ولا ذكره رسول الله – صلى الله عليه وسلم – من شأنهم إلا وذكره، وقال: لقد علمتم أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال: "لو سلك الناس واديًا وسلكت الأنصار واديًا سلكتُ وادي الأنصار"، **ولقد علمت يا سعد أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال وأنت قاعد: "قريش ولاة هذا الأمر، فبر الناس تبع لبرهم، وفاجرهم تبع لفاجرهم"**، قال: فقال له سعد: صدقت، نحن الوزراء وأنتم الأمراء.[۴۳]

(حمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ جس وقت حضور نبی مکرم، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے قریبی علاقے میں تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی خبر سنتے ہی تشریف لائے، نبی

(٤٣) مسند أحمد: (١٨)۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور سے کپڑا ہٹایا، اسے بوسہ دیا اور فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ زندگی میں اور اس دنیوی زندگی کے بعد بھی کتنے پاکیزہ ہیں، رب کعبہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تیزی کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں تمام انصار مسئلہ خلافت طے کرنے کے لئے جمع تھے، یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی، اس دوران انہوں نے قرآن کریم کی وہ تمام آیات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تمام احادیث جو انصار کی فضیلت سے تعلق رکھتی تھیں، سب بیان کر دیں اور فرمایا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ اگر لوگ ایک راستے پر چلتے اور انصار دوسرے پر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم انصار کا راستہ اختیار کرتے۔ **پھر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سعد! آپ بھی جانتے ہیں کہ ایک مجلس میں جس میں آپ بھی موجود تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ خلافت کے حقدار قریش ہوں گے، لوگوں میں سے جو نیک ہوں گے وہ قریش کے نیک افراد کے تابع ہوں گے اور جو برے لوگ ہوں گے وہ اپنے جیسوں کے تابع ہوں گے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ سچ کہتے ہیں، اب ہم وزیر ہوں گے اور آپ امیر یعنی خلیفہ۔)**

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ۶ ماہ بعد بیعت کی تھی؟

بعض حضرات کا دعوی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے چھ مہینے بعد بیعت کی تھی اور اس بنیاد پر ان کا یہ دعوی بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے راضی نہیں تھے، نیز دلیل کے طور پر صحیح مسلم میں وارد ایک روایت بھی پیش کرتے ہیں۔ ذیل کے سطور میں کئی ایک ناحیہ سے اس شبہ سے متعلق وارد اشکالات کے ازالے کی کوشش کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

پہلی بات: صحیح احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت عامہ کے دن ہی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

"لَمَّا قَعَدَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى الْمِنبَرِ نَظَرَ فِي وُجُوهِ الْقَوْمِ فَلَمْ يَرَ عَلِيًّا فَسَأَلَ عَنْهُ، فَقَام نَاسٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَأَتَوْا بِهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: ابْنُ عَمِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَتَنُهُ أَرَدْتَ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ؟ فَقَالَ: لَا تَثْرِيبَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَهُ، ثُمَّ لَمْ يَرَ الزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ فَسَأَلَ عَنْهُ حَتَّى جَاءُوا بِهِ، فَقَالَ:

ابْنُ عَمَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوَارِيُّهُ أَرَدْتَ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ مِثْلَ قَوْلِهِ: لَا تَثْرِيبَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَاهُ". (۴۴)

(جب ابو بکر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے اور تمام حاضرین پر ایک نگاہ ڈالی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غائب پایا، چنانچہ آپ نے ان کے تعلق سے لوگوں سے دریافت کیا، انصار میں سے کچھ صحابی اٹھ کر گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ بلا کر لے آئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کے باوجود مسلمانوں کی اجتماعیت ختم کرنا چاہتے ہیں؟ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے خلیفہ رسول! سرزنش کی کوئی بات نہیں"، پھر انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ پھر آپ نے دیکھا کہ حضرت زبیر بن العوام بھی غیر موجود ہیں، پھر جب انہیں بلا کر لایا گیا تو ابو بکر نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے بیٹے اور آپ کے حواریوں میں سے ہونے کے باوجود آپ مسلمانوں کی اجتماعیت ختم کرنا چاہتے ہیں؟ یہ سن کر حضرت زبیر نے وہی کہا جو حضرت علی نے کہا تھا: سرزنش کی کوئی بات نہیں اے خلیفہ رسول، اور پھر دونوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کی۔)

ایک دوسری روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ والے واقعہ کے دوسرے روز یعنی بیعت عامہ کے دن خود حضرت علی نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ خلافت کے حق دار صرف ابو بکر ہی ہیں، نہ صرف اِقرار کیا بلکہ ساتھ ہی ان کی خلافت کے استحقاق پر کئی وجوہات پیش فرمائے، اس روایت میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں: "إِنَّا نَرَى أَنَّ أَبَا بَكْرٍ أَحَقُّ النَّاسِ بِهَا بَعْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَصَاحِبُ الْغَارِ وَثَانِيَ اثْنَيْنِ وَإِنَّا لَنَعْرِفُ شَرَفَهُ وَكِبَرَهُ وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَيٌّ". (۴۵)

---

(٤٤) المستدرك للحاكم: (٤٤٥٧)، الاعتقاد للبيهقي: (ص: ٣٥٠)، السنن الكبرى للبيهقي: (١٦٥٣٨). علامہ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ نے اسے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط کے اعتبار سے صحیح قرار دیا ہے۔ الصحيح المسند مما ليس في الصحيحين: (١/ ٣٥٦)۔

(٤٥) الاعتقاد للبيهقي: (ص: ٣٥١).

(ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ابو بکر ہیں، آپ یار غار ہیں، ثانی اثنین ہیں، ہم آپ کی قدر و منزلت سے بھی واقف ہیں، نیز آپ ﷺ نے انہیں اپنی حیات میں ہی نماز کی امامت سونپی تھی۔)

ایک روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں: "لَا نَرَى لَهَا غَيْرَكَ فَمَدَّ يَدَهُ فَبَايَعَهُ هُوَ وَالنَّفَرُ الَّذِينَ كَانُوا مَعَهُ". (۴۶)

(ہم آپ کے سوا کسی اور کو خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے، پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر آپ کے ہاتھ پر خود بھی بیعت کی اور ان کے ساتھ جتنے بھی صحابہ تھے سبھی نے بیعت کی)۔

دوسری بات: سیَر و مغازی کے امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے بھی یہی راجح قرار دیا ہے کہ حضرت علی نے بیعت عامہ کے دن ہی بیعت کر لی تھی (۴۷)، نیز امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں فرماتے ہیں: "وَقَدِ اتَّفَقَ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ عَلَى بَيْعَةِ الصِّدِّيقِ فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ، حَتَّى عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ رضى الله عنهما". (۴۸)

(تمام صحابہ کرام حتی کہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بالاتفاق بیعت کر لی تھی)۔

تیسری بات: بعض حضرات صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت پیش کرتے ہیں جس میں یہ وارد ہوا ہے کہ حضرت علی نے چھ ماہ بعد ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح مسلم میں ہے، جبکہ دوسری روایات ان کتابوں میں ہیں جن کا درجہ صحیح مسلم سے کم ہے، لہذا صحیح مسلم کی روایت کو ترجیح ملے گی۔

---

(٤٦) الاعتقاد للبيهقي: (ص: ٣٥١).

(٤٧) امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس قول کو اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ الاعتقاد للبيهقي: (ص: ٣٥١).

(٤٨) البداية والنهاية ط الفكر: (٦/ ٣٠١).

اس کے کئی جوابات دیے جاسکتے ہیں:

۱. **صحیحین کی روایت میں چھ ماہ بعد بیعت کئے جانے والی بات امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے، کسی صحابی یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نہیں ہے جیسا کہ** امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کے اندر صراحت کے ساتھ چھ ماہ بعد بیعت والی بات کو امام زہری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مکمل حدیث ملاحظہ ہو: "قال معمر : قلت للزهري: كم مكثت فاطمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم ؟ قال ستة أشهر فقال رجل للزهري فلم يبايعه علي رضي الله عنه حتى ماتت فاطمة رضي الله عنها ؟ قال: ولا أحد من بني هاشم".

(معمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **میں نے امام زہری رحمہ اللہ سے پوچھا:** حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کتنے دن زندہ رہیں؟ **انہوں نے فرمایا: چھ ماہ۔** یہ سن کر ایک شخص نے سوال کیا: کیا علی نے ان چھ مہینوں میں حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، اور نہ بنو ہاشم میں سے کسی نے بیعت کی۔)

نیز صحیح بخاری و مسلم کی روایات میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ بیعت کے واقعہ کا تذکرہ اور چھ ماہ کے بعد بیعت کرنے کی تصریح امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے، یہی وجہ ہے کہ راوی نے پورے واقعہ کے بیان سے قبل قائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے **مذکر کا صیغہ** استعمال کیا، بطور دلیل صحیح بخاری کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں: "**قال** فهجرته فاطمة فلم تكلمه حتى ماتت"۔[۴۹] (امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات تک حضرت ابو بکر سے گفتگو نہیں فرمائی)۔ اگر چھ ماہ والا جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہوتا تو "**قال**" کے بجائے "**قالت**" کہا جاتا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الاعتقاد" میں اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَالَّذِي رَوَى أَنَّ عَلِيًّا لَمْ يُبَايِعْ أَبَا بَكْرٍ سِتَّةَ أَشْهُرٍ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ عَائِشَةَ إِنَّمَا هُوَ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ فَأَدْرَجَهُ بَعْضُ الرُّوَاةِ فِي الْحَدِيثِ فِي قِصَّةِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَحَفِظَهُ مَعْمَرُ بْنُ رَاشِدٍ فَرَوَاهُ مُفَصَّلًا وَجَعَلَهُ مِنْ قَوْلِ الزُّهْرِيِّ مُنْقَطِعًا مِنَ الْحَدِيثِ. وَقَدْ رُوِّينَا فِي الْحَدِيثِ الْمَوْصولِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ

---

(۴۹) صحيح البخاري:(۴۲۴۰)۔ صحیح مسلم (۱۷۵۹)۔

الْخُدْرِيِّ وَمَنْ تَابَعَهُ مِنْ أَهْلِ الْمَغَازِي أَنَّ عَلِيًّا بَايَعَهُ فِي بَيْعَةِ الْعَامَّةِ الَّتِي جَرَتْ فِي السَّقِيفَةِ"۔ (۵۰)

(جس روایت میں یہ بات آئی ہے کہ حضرت علی نے ابو بکر کے ہاتھ پر چھ ماہ بعد بیعت کی تھی وہ امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے، مگر اسے بعض راویوں نے حدیث میں داخل کر کے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے قصہ کے ساتھ اضافہ کر دیا، البتہ معمر بن راشد رحمہ اللہ نے اسے اچھے سے یاد رکھا اور تفصیل کے ساتھ روایت کیا، اور اس جملے کو (جس میں چھ ماہ بعد بیعت کا تذکرہ ہے) امام زہری رحمہ اللہ کے قول کے طور پر حدیث سے الگ کر کے بیان کیا ہے۔ نیز ہمیں متصل احادیث میں ابو سعید الخدري کی روایت اور اہل مغازی میں سے ان کی موافقت کرنے والوں سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ حضرت علی نے بیعت عامہ کے روز ہی بیعت کر لی تھی)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس جملہ کو امام زہری رحمہ اللہ کا قول قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

"وأما ما وقع في مسلم عن الزهري أن رجلا قال له لم يبايع علي أبا بكر حتى ماتت فاطمة قال لا ولا أحد من بني هاشم فقد ضعفه البيهقي بأن الزهري لم يسنده وأن الرواية الموصولة عن أبي سعيد أصح"۔ (۵۱)

(صحیح مسلم میں وارد امام زہری رحمہ اللہ کا یہ واقعہ - کہ ان سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک بیعت نہیں کی؟ امام زہری رحمہ اللہ نے جواب دیا: نہیں اور نہ ہی بنو ہاشم میں سے کسی نے - اس واقعہ کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیتے ہوئے فرمایا: امام زہری رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو سند کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے، جبکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی متصل روایت اس سے زیادہ صحیح ہے۔)

---

(۵۰) (الاعتقاد للبیھقی: ص:۳۵۲)۔

(۵۱) فتح الباري لابن حجر (۷/۴۹۵)۔

امام عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وبايعه جميع الصحابة حتى علي ابن أبي طالب، والزبير بن العوام، وما قيل من أن عليا بايعه بعد موت فاطمة، وقد ماتت بعد أبيها بستة أشهر فذاك محمول على أنه بيعة ثانية أزالت ما كان وقع من وحشته بسبب الكلام في الميراث".(۵۲)

(ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرام حتی کہ علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت کی، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بیعت کی تھی اور ان کی وفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد ہوئی تھی تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دوسری بار بیعت کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ میراث والے مسئلے میں ہوئی بات چیت کے سبب جو دوری پیدا ہوئی تھی وہ دور ہو جائے)۔

۲. بعض علما نے دونوں واقعہ میں جمع و تطبیق کی صورت نکالی ہے، چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہوئی بیعت کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ وہ بیعت کی تجدید تھی، بایں معنی کہ انہوں نے پہلے بیعت کی تھی مگر جب میراث والے مسئلے کو لے کر رنجش پیدا ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آنا جانا ترک کر دیا، پھر جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی پہلی بیعت کی تجدید اور امور خلافت میں آپ کی تائید کرنے کا عہد کیا۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ دوسری بیعت کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ويحتمل أن عليا بايعه بيعة العامة، كما روينا في حديث أبي سعيد الخدري وغيره ثم شجر بين فاطمة وأبي بكر كلام بسبب الميراث إذ لم تسمع من رسول الله صلى الله عليه وسلم في باب الميراث ما سمعه أبو بكر وغيره فكانت معذورة فيما طلبته وكان أبو بكر معذورا فيما منع فتخلف علي عن حضور أبي بكر حتى توفيت ثم كان منه تجديد البيعة والقيام بواجباتها كما قال الزهري، ولا يجوز أن يكون قعود علي في بيته على وجه الكراهية لإمارته، ففي رواية

---

(۵۲) شرح أبي داود للعيني:(۶/۱۹۹).

الزهري: أنه بايعه بعد وعظم حقه ولو كان الأمر على غير ما قلنا لكانت بيعته آخر خطأ".

(۵۳)

(دوسری بیعت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے بیعت عامہ کے دن بیعت کی جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابی کرام سے منقول ہے، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مابین میراث کے مسئلے کو لے کر کچھ ناراضگی پیدا ہوگئی، چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وراثت والے مسئلے میں اس حدیث سے واقف نہیں تھیں جس سے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دگر صحابہ کرام واقف تھے لہذا وہ اپنے مطالبے میں معذور سمجھی جائیں گی، نیز ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی وراثت سے منع کرنے کا عذر موجود تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مجالس سے غائب رہے، پھر ان کی وفات کے بعد تجدید بیعت کی اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد کیا، جیسا کہ امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر کو لازم پکڑنا اس سبب سے تھا کہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ناپسند کرتے تھے، کیوں کہ امام زہری رحمہ اللہ کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ: "پھر بعد میں انہوں نے بیعت کی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تیئں واجب حقوق کی ادائیگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اگر بات اس کے برخلاف ہوتی جو ہم نے بیان کی ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری بیعت خطا تصور کی جاتی۔)

مذکورہ تطبیق کے قائل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی ہیں (۵۴)، نیز علامہ عینی رحمہ اللہ نے بھی جمع کی یہی صورت بیان کی ہے (۵۵)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ تطبیق کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "فيحمل قول الزهري لم يبايعه علي في تلك الأيام على إرادة الملازمة له والحضور عنده وما أشبه ذلك فإن في انقطاع

---

(۵۳) الاعتقاد للبیہقی (ص:۳۵۲-۳۵۳)۔

(٥٤) فتح الباري لابن حجر: (٧/ ٤٩٥).

(٥٥) شرح أبي داود للعيني: (٦/ ١٩٩).

مثله عن مثله ما يوهم من لا يعرف باطن الأمر أنه بسبب عدم الرضا بخلافته فأطلق من أطلق ذلك وبسبب ذلك أظهر علي المبايعة التي بعد موت فاطمة عليها السلام لإزالة هذه الشبهة"۔ (٥٦)

(لہذا امام زہری رحمہ اللہ کا قول کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں بیعت نہیں کی تھی، اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی مجالس میں آنا جانا بند کر دیا تھا یا اسی کے مثل دیگر توجیہات کی جائیں گی۔ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسی عظیم شخصیت کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسی بلند مرتبت شخصیت سے دور رہنا، حقیقت سے نا آشنا لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کر دے گا کہ آپ رضی اللہ عنہ خلافت ابو بکر سے راضی نہیں تھے، اسی بنا پر بعض لوگوں نے ان کی ناراضی کی بات کو مطلقا بیان کیا ہے، چنانچہ اسی شبہ کے ازالے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اپنی بیعت کا کھل کر اظہار کیا۔)

۳. جیسا کہ مذکورہ بالا سطروں میں واضح کیا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیعت عامہ کے دن بیعت کرنے کا ثبوت صحابہ کرام کے قول سے میل کھاتا ہے، جب کہ چھ مہینے بعد بیعت کا ذکر امام زہری رحمہ اللہ کے قول سے ملتا ہے، اور جب قول صحابی اور قول تابعی میں تعارض ہو جائے تو صحابی کے قول کو ترجیح حاصل ہو گی، لہذا راجح یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے دن ہی بیعت کر لی تھی۔ اسی بنا پر شارحین حدیث نے امام زہری رحمہ اللہ کے قول کو بیعت کی تجدید پر محمول کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر فوراً ہی بیعت کر لی تھی، صحیح احادیث اور اقوال صحابہ سے یہی ثابت ہوتا ہے، اس کے علاوہ جو باتیں ہیں وہ احادیث اور آثار صحابہ کے خلاف ہونے کے سبب غیر مقبول ہیں۔ واللہ اعلم۔

(جاری)

(٥٦) فتح الباري لابن حجر: (٧/ ٤٩٥).

أبو المدیح بلال الخلیلی
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

دعوتی امور میں اہل بدعت کے ساتھ شراکت اور منہج موازنات کا جائزہ (قسط اول)

عصر حاضر میں امت مسلمہ جن بڑے امراض میں مبتلا ہے ان میں اہل بدعت کے تعلق سے نرم گوشہ رکھنے کا مسئلہ سر فہرست ہے۔ اہل بدعت کے ساتھ نرم رویہ انسان کو بدعت کے تئیں متساہل بنا دیتا ہے۔ جبکہ بدعت وہ سنگین گناہ ہے جسے نبی اکرم ﷺ "سب سے برا امر" کہا ہے اور جس سے بچنے کی تلقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر خطبہ جمعہ میں "كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة في النار" کے الفاظ سے کیا کرتے تھے تا کہ لوگ شرک کی طرح بدعت سے بھی باز رہیں، دین اسلام میں بدعت اور اہل بدعت کی مذمت میں بکثرت اور واضح نصوص موجود ہیں جن پر ائمہ سلف نے "تعامل مع اہل البدع" کے باب میں متفق علیہ اصولوں کی بنا رکھی ہے۔ جن کو سنت وبدعت پر لکھی گئی کتب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، اپنے موضوع میں داخل ہونے سے قبل بطور مقدمہ چند مہم اور بنیادی امور ذکر کرتا ہوں۔

پہلی بات: ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منہج سلف کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، جس سے روگردانی گمراہی کا باعث ہے۔

دوسری بات: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں واضح الفاظ میں باخبر کیا ہے کہ دین میں ہر نئی چیز بدعت کہلاتی ہے، اور ہر طرح کی بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم لے جانے والی ہے۔

تیسری بات: بدعت کی مجمل تعریف یہ ہے کہ ہر وہ قول یا فعل یا اعتقاد ونظریہ جو کتاب وسنت کے مخالف ہو، لہذا دین کے نام پر جو بھی قول یا عمل یا اعتقاد جس کی اصل نصوص وحیین اور اجماع سلف میں نہ ہو تو وہ بدعت ہے۔

چوتھی بات: حکم کے اعتبار سے بدعت کے ویسے تو علماء نے اپنے نظریہ سے کئی مراتب بیان کئے ہیں لیکن ان سب مراتب کو دیکھا جائے تو چار مراتب بنتے ہیں، جن میں سے بعض مکفرہ ہیں اور بعض وسائل الشرک والکفر ہیں اور بعض مفسقہ ہیں، جبکہ کچھ بدعات کا حکم تفصیل پر مبنی ہے۔

پانچویں بات: سلف صالحین نے ہمیشہ بدعت پر رد کیا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق بدعتیوں پر قولاً وعملاً سختی تک کی ہے، خواہ وہ بدعت کتنی چھوٹی کیوں نہ ہو، کیونکہ بدعت کبھی بانجھ نہیں ہوتی۔

چھٹی بات: بدعتی پر رد کرنے سے مطلقاً بدعتی کی تکفیر مراد نہیں ہوتی، چونکہ بدعت کے بھی مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کے الگ الگ اصول ہیں، جن کی بنا پر بدعتی پر حکم لگے گا، لہذا تکفیر معین اسی وقت ہوگا جب اصول تکفیر کسی بدعتی پر منطبق ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر حجت قائم ہو اور موانع التکفیر میں سے کوئی مانع نہ پایا جائے۔

ساتویں بات: اگر کوئی بدعتی من رؤوس الضلال والبدع ہے تو اس کا نام لیکر رد کرنے میں مداہنت نہیں ہونی چاہیے الا یہ کہ کسی بڑے مفسدہ کا خطرہ ہو، تاکہ لوگ اس سے باخبر رہیں اور اس کو سننے پڑھنے سے بچے رہیں، اور یہ اصول الرد مع اھل البدع میں سے ہے۔

آٹھویں بات: کسی بھی غالی بدعتی کی موت پر علانیہ ترحم یا دعائیہ کلمات کہنے پر علماء نے سختی سے منع کیا ہے، کیونکہ لوگ اس کو کہیں عالم سمجھ کر اس کے فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔

نویں بات: اہل بدعت کی کتب یا بدعتی کے تراجم کو پڑھنے سے یا ان کو دیکھنے سننے سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے، کیونکہ انسان کا دل کمزور واقع ہوا ہے، پتہ نہیں ان کو پڑھنے سننے سے کوئی ایسا شبہہ دل میں راسخ ہو جائے جو اس کی گمراہی کا سبب بنے۔

دسویں بات: ہر طالب، عالم اور داعی کو صرف خالص سلفی علما کو سننا پڑھنا چاہئے، بالخصوص ان سلفی علماء کو جنھوں نے بدعات پر رد کیا ہے، تاکہ قارئین وسامعین کو پتہ چلے کہ بدعت کس کو کہتے ہیں، بدعت اور بدعتی پر رد کرنے کا کیا طریقہ کار ہو، کب سختی کرنی ہے اور کب حکمت اپنانی ہے، بدعت اور بدعتی پر رد کے کیا اصول وضوابط ہیں وغیرہ۔[۵۷][۵۸]

اسی طرح حال ہی میں جامعہ اسلامیہ میں عقیدہ کے استاذ شیخ طارق القحطاني نے اس سلسلہ میں ایک کتاب (كشف الدلجة في معرفة السنة والبدعة) لکھی ہے جو کہ کلیہ دعوہ وأصول الدین کے فن "دراسات في السنة والبدعة" کے نصاب پر مشتمل ہے، اس کو بھی مطالعہ کرسکتے ہیں، جس میں شیخ نے اجمالاً اکثر سنت وبدعت کے اہم امور کو ذکر کردیا ہے۔

---

(۵۷) گیارہویں بات: اہل سنت کے کسی عالم کی کوئی اعتقادی یا منہجی خطا بیان کرنے سے اس عالم کی تبدیع وتفسیق یا تکفیر لازم نہیں آتی اور نہ ہی اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تردید کرنے والے نے ان کی تحقیر یا تنقیص کی ہے، کیوں کہ تردید کرنے والے کا مقصود شریعت مخالف عقیدہ ومنہج پر رد کرنا ہوتا ہے۔ لہذا اس سے شخصیت کی تردید مراد لینا درست نہیں ہے۔ (مدیر)۔

(۵۸) بدعت کے سلسلہ میں مزید تفصیلات جاننے کیلئے درج ذیل کتب کا لازمی مطالعہ کریں:

(۱) الإبداع في كمال الشرع وخطر الابتداع للشيخ محمد بن صالح العثيمين۔ (مختصر سا رسالہ ہے جو صرف ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے)۔

(۲) البدعة تعريفها أنواعها وأحكامها للشيخ صالح الفوزان حفظه الله.

(۳) الموقف الصحيح من أهل البدع للشيخ العلامة ربيع بن هادي عمير المدخلي حفظه الله.

(۴) البدع وأثرها في انحراف التصور الإسلامي للشيخ صالح السحيمي حفظه الله.

(۵) قاموس البدع مستخرج من كتب العلامة الشيخ الألباني رحمه الله.

(۶) باب حقيقة البدعة من كتاب مجموع رسائل العقيدة لأحمد بن يحيي النجمي رحمه الله (من مجلد ٦)۔

بدعت اور اہل بدعت کے سلسلہ میں ائمہ سلف نے بے شمار کتابیں تالیف فرمائی ہیں، چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔ الحوادث والبدع للطرطوشي والاعتصام للشاطبی۔

(۲)۔ الباعث على إنكار البدع والحوادث لأبي شامة المقدسي۔

(۳)۔ البدع والنهي عنها لإبن وضاح۔

محمد عمر صلاح الدین
جامعہ ملک سعود، ریاض

روافض اور کفار کے مابین اعتقادی، عملی اور فکری مشابہت[۵۹]

(ممکن ہے کہ اس مضمون کا عنوان آپ کو ذرا تعجب خیز اور حیران کن لگے تاہم ان کے مابین عقائد و افکار کی یکسانیت کو جب آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو حیرت و استعجاب اور تردد و تذبذب کی ساری کیفیات دور ہو جائیں گی اور آپ کو کلی طور پر یقین ہو جائے گا کہ امر واقع میں عقائد و نظریات میں ان کے یہاں کس قدر غایت درجے کی مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے تو آیئے درج ذیل چند امور کی روشنی میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔)

ا۔ غلو وافراط میں یہود و نصاری کی مشابہت:

یہود و نصاری کے اپنے پیغمبروں کے بارے میں غلو وافراط پر مبنی نظریہ کو اللہ سبحانہ تعالی نے بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وقالت اليهود عزير ٱبن ٱلله وقالت ٱلنصارى ٱلمسيح ٱبن ٱلله ذلك قولهم بأفواههم يضاهئون قول ٱلذين كفروا من قبل قاتلهم ٱلله أنىٰ يؤفكون﴾[۶۰]

یہودیوں نے کہا کہ عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں، نصرانیوں نے کہا کہ مسیح (عیسی علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب تو ان کی اپنی منہ سے کہی ہوئی (جھوٹی) باتیں ہیں جو اس سے پہلے کافروں کی باتوں سے ملتی جلتی ہیں، اللہ تعالی انہیں تباہ وبرباد کرے یہ کہاں اوندھے منہ بہکے جا رہے ہیں؟

---

(۵۹) یہ مضمون دراصل شیخ مقبل بن هادي الوادعي رحمہ اللہ کی کتاب "الإلحاد الخميني في أرض الحرمين" کے ایک مضمون بنام "فصول في مشابهة الرافضة للكفار" سے ماخوذ ہے۔

(۶۰) توبہ:۹/ ۳۰

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غلو سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يا أهل ٱلكتاب لا تغلوا فى دينكم غير ٱلحق﴾(٦١) اے اہل کتاب (یہود ونصاری) اپنے دینمیں بے جا ناحق طور پر غلو کرنے سے بچو۔

روافض (جو علمائے اسلام اور اسلاف کرام کی بے شمار تصریحات کے مطابق یہودیوں کی پیداوار ہیں) ان کا عقیدہ اپنے ائمہ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ان کی بابت غلو کرتے ہوئے انہیں درجۂ معصومیت پر فائز سمجھتے ہیں، ان کی وفات کے بعد بھی ان کے متعلق رجعت (دوبارہ لوٹنے) عقیدہ رکھتے ہیں (٦٢) بعض لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں احیاء موتی (مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے) کا عقیدہ رکھتے ہیں اور کچھ لوگ تو دریاؤں اور سمندروں میں انہیں متصرف سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے ہفوات وترہات ہیں جو ان کے غلو وافراط پر دلالت کرتے ہیں۔ جب کہ سیدنا علی، سیدنا حسن، سیدنا حسین، محمد بن حنفیہ، علی بن حسین اور دیگر اہل بیت کے پاکباز افراد، روافض کے ان اباطیل واکاذیب سے یقینا بری ہیں۔ بلکہ خود علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اس غلوپسندی کا انکار گویا ان الفاظ میں یوں کیا ہے: "ليحبني قوم حتى يدخلوا في النار فيّ، وليبغضني قوم حتى يدخلوا النار في بغضي". کچھ لوگ میرے ساتھ اندھا دھند محبت کریں گے حتی کہ وہ مجھ سے (افراط والی) محبت کی وجہ سے (جہنم کی) آگ میں داخل ہوں گے اور ایک قوم مجھ سے اس قدر بغض رکھے گی حتی کہ وہ میرے بغض کی وجہ سے (جہنم کی) آگ میں داخل ہوگی۔ (٦٣)

---

(٦١) مائدہ:۵/۷۷

(٦٢) عقیدۂ رجعت میں کئی اعتبار سے یہود وروافض کے مابین کافی مشابہت پائی جاتی ہے، یہودیوں کی کتابوں میں کئی اقتباسات وواقعات اس تعلق سے ملیں گے کہ یشوع نے یا فلاں عالم نے فلاں موقعے پر فلاں شخص کو اس کی موت کے بعد زندہ کردیا، اسی طرح روافض کے یہاں بھی ایسے من گھڑت واقعات کی بھرمار ہے جس میں انہوں نے اپنے ائمہ کے بارے میں اس نوعیت کے کفریہ اور شرکیہ عقیدے کو ثابت کیا ہے چنانچہ سیدنا علی اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں (بحار الانوار:۲۷/۳۰۳) ملاحظہ فرمائیں۔

(٦٣) كتاب السنة للإمام أبي بكر بن عاصم الشيباني (ت۲۸۷ھ)، باب في ذكر الرافضة أذلهم الله، ج/۲، رقم الحديث:۹۸۳ و فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل ۲/۵۶۵

۲۔اپنے ائمہ اور پیشواؤں کو بے یار و مدد گار چھوڑنے میں یہودیوں کی مشابہت:

جس طرح قرآن مجید کے اندر یہودیوں کے ان الفاظ ﴿إنا لن ندخلها أبداً ماداموا فيها فاذهب أنت وربك فقاتلا إنا ههنا قاعدون﴾ (۶۴) میں موسی علیہ السلام کے ساتھ ان ملعونوں کی بے وفائی، غداری، وعدہ خلافی اور عدم معاونت کا ذکر ہے، اسی طرح روافض نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی کچھ کیا، ان کے ساتھ غداری اور دھوکہ دہی کی اور انہیں بے یار و مدد گار چھوڑدیا۔ (۶۵) اور سیدنا حسن بن علی سے بیعت کرنے کے بعد، انہیں اپنا خلیفہ اور امام تسلیم

---

(۶۴) مائدہ:۵/ ۲۴

(۶۵) آپ نے اپنی زندگی کے آخری خطبۂ جمعہ میں ان سے اپنی عاجزی، کراہت، ناپسندیدگی اور ان کی نااہلی، بدعہدی، بے وفائی، خیانت اور غداری کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا: "اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ (گروہِ معاویہ) اب تم پر غالب آکر رہیں گے، کیوں کہ تم اپنے امام کے نافرمان ہو، اور وہ اپنے امام کے اطاعت گزار، تم خیانت پسند ہو اور وہ امانت دار، تم فساد برپا کرتے ہو اور وہ اصلاح کرتے ہیں، میں نے فلاں شخص کو ایک جگہ مقرر کر کے بھیجا لیکن اس نے بدعہدی اور خیانت کی، اسی طرح ایک اور شخص کو بھیجا اس نے بھی یہی کچھ کیا، بلکہ اس نے مال بھی معاویہ کی طرف بھیج دیا، میں تم میں سے کسی کے پاس ایک برتن بھی امانت رکھ دوں تو حالت یہ ہے کہ وہ اس کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرے گا، **الہی میں ان سے تنگ آگیا ہوں اور یہ مجھ سے، میں انہیں ناپسند کرتا ہوں اور یہ مجھے، ان کو مجھ سے راحت دے دے اور مجھے ان سے**۔"

آگے امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "فما صلى الجمعة الأخرى حتى قتل رضي الله عنه و أرضاه" اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ دوسرا جمعہ بھی نہیں پڑھ سکے یہاں تک کہ شہید ہوگئے" (البدایہ والنہایہ:۷/ ۳۲۶)۔

امام ابن سعد (ت ۲۳۰ھ) رحمہ اللہ نے آپ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے حوالے سے بھی یہی بات نقل کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی غلط رویوں اور ناروا حرکتوں سے عاجز آکر یہ دعا کی تھی: "اللهم إني قد مللتهم وملوني وأبغضتهم وأبغضوني فأبدلني بهم خيرا منهم وأبدلهم بي شرا مني". اے اللہ! میں (ان شریروں) سے روٹھ چکا ہوں اور یہ مجھ سے، میں ان سے نفرت کرتا ہوں اور یہ مجھ سے، لہذا ان کے بدلے مجھے اچھے لوگوں کو عطا فرما اور مجھے بدل کر ان کے اوپر کسی بُرے شخص کو مقرر کر دے۔ (الطبقات الکبریٰ:۵/ ۹۳)۔

سیدنا علی کے انہیں الفاظ کو شیعی عالم محمد بن حسین شریف رضی (ت ۴۰۶ھ) نے اپنی کتاب "نہج البلاغہ" میں پچیسویں خطبے کے ضمن میں نقل کیا ہے۔

کرنے باوجود نہ صرف ان کی اہانت وتذلیل اور ان کے ساتھ خیانت وبددیانتی کی بلکہ انہیں جسمانی طور پر بھی زک پہنچائی اور مختلف مصائب وتکالیف سے دوچار کیا(۶۶) اسی طرح ان کے بھائی سیدنا حسین بن علی کے ساتھ جو غداری اور بے وفائی کی گھناؤنی تاریخ ان رافضیوں نے رقم کی وہ سارا کچھ کتبِ تاریخ میں مذکور ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین.

۳۔ قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے میں یہود ونصاریٰ کی مشابہت:

نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ان دونوں قوموں پر اس بدترین عمل کو انجام دینے کی وجہ سے ان الفاظ میں لعنت بھیجی تھی: "لعنة الله على اليهود، والنصارى ؛ اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"(۶۷)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس بدترین عمل کی وجہ سے ہلاکت وبربادی کی بددعا فرمائی: "قاتل الله اليهود، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد"(۶۸)

---

(۶۶) خود سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے بعد ایک خطبہ میں ان کی شرارتوں کو بیان کیا ہے جسے شیعی مؤرخ علی بن حسین مسعودی (ت ۳۴۳ھ) نے اپنی کتاب "مروج الذهب" (۴۳۱/۲) میں یوں نقل کیا ہے، لکھتا ہے: "يا أهل الكوفة! لو لم تذهل نفسي عنكم إلا لثلاث خصال لذهلت: مقتلكم لأبي، وسلبكم ثقلي، وطعنكم في بطني، وإني قد بايعت معاوية فاسمعوا وأطيعوا". اے کوفیو! اگر میرے ساتھ تمہاری تین حرکتیں اور بدسلوکیاں نہ ہوتیں تو شاید میں (تمہارے بقیہ کرتوتوں کو بھی) بھلا دیتا، پہلا جرم یہ کہ تم نے میرے باپ کو قتل کیا، دوسرا یہ تم لوگوں نے میرے مال میں لوٹ کھسوٹ کی اور تیسرا یہ کہ تم نے مجھے جسمانی طور پر گزند پہنچائی. بلاشبہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی ہے لہذا اب تم ان کی سمع وطاعت کرو۔

اس کے بعد لکھتا ہے: "وقد كان أهل الكوفة انتهبوا سرداق الحسن ورحله وطعنوا بالخنجر في جوفه، فلما تيقن ما نزل به انقاد إلى الصلح". دراصل اہل کوفہ نے آپ کے خیمے اور کجاوے (میں موجود سازوسامان) کو لوٹ لیا تھا، آپ کے پیٹ میں خنجر مارا تھا، پھر جب آپ کو اپنی پریشانیوں کا یقین ہوگیا تھا تو آپ صلح کے لئے تیار ہوگئے۔

(۶۷) صحیح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء صلوات الله عليهم، باب ما ذكر عن بني إسرائيل برقم (۳۴۵۳)۔

(۶۸) صحیح البخاري، كتاب الصّلاة برقم (۴۳۷)۔

اسی کے بالمقابل آپ روافض کو بھی دیکھ لیں کہ انہوں بے شمار قبروں پر مسجدیں تعمیر کی ہیں۔اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ روافض کے علاوہ بعض دیگر مسلمانوں نے بھی اپنے بزرگوں کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کی ہیں تو ظاہر ہے کہ "من شاركهم فهو مثلهم" جو بھی اس جرم کا مرتکب ہوگا اس پر وہی حکم لگے گا۔

۴۔صرف اپنے ہم فکر و ہم مذہب افراد کے لئے دخولِ جنت کے دعوی میں یہود ونصاریٰ کی مشابہت:

چنانچہ یہود ونصاری کے اس خوش فہمی، خام خیالی اور ان کے اس کھوکھلے دعوے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتاہے: ﴿وقالوا لن يدخل ٱلجنة إلا من كان هودا أو نصرىٰ تلك أمانيهم﴾ **(٦٩)**

ان کا کہنا ہے جنت میں تو صرف یہود ونصاری ہی داخل ہوں گے، یہ حقیقتِ امر میں ان کی خیالی اور بہکی ہوئی باتیں ہیں۔

یہی حال روافض کا ہے جو بزعم خویش صرف اپنے ائمہ اور ان کے پیروکاروں کو دخولِ جنت کا مستحق سمجھتے ہیں،بقیہ تمام اسلامی گروہوں اور جماعتوں کو کافر سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو قوم افضل البشر بعد الانبیاء ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر کرتی ہو اس کا جو نظریہ ہوگا، وہ بالکل واضح ہے۔شیعوں کی کتابوں میں بے شمار مقامات پر اہل سنت کی تکفیر اور خود کو طریقۂ حق پر گامزن رہنے اور جنتی ہونے کا دعویٰ موجود ہے۔ **(٧٠)**

---

(٦٩) بقرہ:۲/۱۱۱

(٧٠) اس کی بے شمار مثالیں آپ کو مل جائیں گی، یہاں کچھ حوالوں پر اکتفا کیا جارہاہے۔آپ دیکھیں کہ تیسری صدی ہجری کے مشہور شیعہ عالم احمد بن محمد بن خالد البرقی (المتوفی؛۲۷۴ھ) نے اپنی کتاب "المحاسن ۱/۱۴۷" میں ابوعبداللہ سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے ایک (جھوٹی)روایت نقل کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں:"ما أحد على ملة ابراهيم إلا نحن وشيعتنا، وسائر الناس منها براء". (اس روئے زمین پر)ہم اور ہمارے (متبعین) شیعوں کے علاوہ کوئی بھی ملتِ ابراہیمی پر قائم نہیں ہے بلکہ ان سارے لوگوں کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ ہی کے حوالے سے ایک شیعہ عالم ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الكليني (المتوفي؛۳۲۸ھ) نے ایک (من گھڑت) روایت یوں نقل کی ہے کہ آپ نے اپنے پیروکاروں سے فرمایا: "اما والله إنكم لعلى الحق وان من خالفكم لعلى غير الحق".

۵۔ مسلمانوں سے حسد وبغض رکھنے میں یہود کی مشابہت:

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بری خصلت کو اہل اسلام کے سامنے یوں بے نقاب کیا ہے: ﴿ود كثير من أهل ٱلكتاب لو يردونكم من بعد إيمانكم كفارا حسدا من عند أنفسهم من بعد ما تبين لهم ٱلحق﴾[(۷۱)] بہت سے اہل کتاب اپنے بغض وحسد کی بناپر تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹادینا چاہتے ہیں باوجودیکہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: ﴿أم يحسدون ٱلناس علىٰ ما آتاهم ٱلله من فضله﴾[(۷۲)] (کیا یہ لوگوں (اہل ایمان صحابہ کرام) سے اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے نوازرکھا ہے؟

اس کے بالمقابل مسلمانوں سے رافضیوں کے سینوں میں موجود بغض وحسد اور نفرت وحقارت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے، بلکہ ان کی کتابیں ان جیسی مذموم صفات کی ترغیب وتحریض سے بھری پڑی ہیں)[(۷۳)]

سنو! حق پرست صرف تم ہی لوگ ہو، تمہارے علاوہ سب کے سب باطل کے پیروکار ہیں۔ (روضۃ الکافی: ۸/ ۱۴۵)۔

یہ ہے ان کی احساسِ برتری، جذبۂ بالادستی اور "ابناء اللہ واحباءہ" والا یہودی ونصاری کا نظریۂ تفوق وامتیاز اور اپنے مخالفین کے تئیں سفلے جذبات وخیالات اور حقارت آمیز رویہ، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنا تخلیقی امتیاز ظاہر کرنے کے لئے کس طرح کی جھوٹی روایتیں ان ناپاک ملعونوں نے اہل بیت کے معزز افراد کی طرف منسوب کی ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شیعہ محدث ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی (۱۰۳۸ھ_۱۱۱۱ھ) سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت نقل کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "إن الله خلق المؤمن من طينة الجنة وخلق الناصب من طينة النار". اللہ تعالی نے مومن (شیعوں) کو جنت کی مٹی سے پیدا کیا ہے اور ناصبی یعنی اہلسنت مسلمانوں کو جہنم کی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (بحار الانوار: ۲۵/ ۹)۔

(۷۱) بقرہ: ۲/ ۱۰۹

(۷۲) نساء: ۴/ ۵۴

(۷۳) صحابۂ کرام جیسی مقدس وپاکباز جماعت جن کے بغض وحسد، نفرت اور دشمنی سے محفوظ نہ رہ سکی تو ظاہر ہے کہ ان نفوس قدسیہ کو اپنا معیارِ ایمان سمجھنے والا کون سا مسلمان ان کے نشترِ تکفیر وتبرا سے محفوظ رہ سکتا ہے؟

٦۔ مسلمانوں سے شدید عداوت ودشمنی رکھنے میں یہود کی مشابہت:

اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس صفت کا تذکرہ یوں فرمایا ہے: ﴿لتجدن أشد ألناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين أشركو﴾(۷۴) یقیناً آپ اہل ایمان کا سب سے بڑا دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔

اسلام اور مسلمانوں سے روافض کی اس سے بڑھ کر دشمنی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے اپنے زمانۂ وجود سے لے کر آج تک سیاسی، عسکری، انتظامی، مالی اور اقتصادی کسی بھی طور پر مسلمانوں کا ساتھ دینے کے بجائے ہمیشہ اسلام دشمن طاقتوں کے دست وبازو، ایجنٹ، آلۂ کار اور مسلمانوں کے خلاف ان کے حلیف ومعاون بنے رہے۔(۷۵)

چنانچہ ملا محمد باقر مجلسی نے اپنی کتاب (حق الیقین، ص:۵۱۹) میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: "ہم شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ابو بکر وعمر اور عثمان ومعاویہ ان چارو بتوں سے نیز عائشہ وحفصہ اور ہند وام الحکم (رضی اللہ عنہن) ان چارو عورتوں سے اعلانِ براءت کرتے ہیں مزید بر آں ان کے تمام معاونین اور پیروکاروں سے بھی، (اس لئے کہ) یہ روئے زمین کی سب سے بدترین مخلوقات ہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول اور ائمہ پر اس وقت کامل ایمان نہیں ہو سکتا جب تک ان دشمنوں سے اظہارِ براءت نہ کیا جائے۔

اسی طرح ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی نے امام ابو جعفر محمد بن علی باقر (ت ۱۱۴ھ) رحمہ اللہ سے جھوٹی روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین صحابہ کے علاوہ سارے لوگ مرتد ہوگئے تھے پوچھا گیا وہ تینوں کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: مقداد بن اسود، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم)" (روضة الكافي ۸/۲۴۵)۔

(۷۴) مائدہ: ۵/ ۴۲

(۷۵) اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ (ت ۷۲۹ھ) رحمہ اللہ نے پوری ثقاہت اور اعتماد کے ساتھ دوٹوک الفاظ میں یہ بات بیان فرمائی کہ: "فقد رأينا ورأى المسلمون أنه إذا ابتلي المسلمون بعدو كافر كانوا معه على المسلمين". ہم نے اور تمام مسلمانوں نے یہ دیکھا ہے کہ جب بھی کبھی کسی کافر دشمن کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ ہوا ہے، روافض ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف کفار کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ (منہاج السنة: ۳/ ۳۸)۔

۷۔اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں افتراپردازی اور جھوٹ باندھنے میں یہود کی مشابہت:

اللہ ربّ العزت نے یہودیوں کی بابت فرمایا: ﴿وإن منهم لفريقا يلوون ألسنتهم بٱلكتاب لتحسبوه من ٱلكتاب وما هو من ٱلكتاب ويقولون هو من عند ٱلله وما هو من عند ٱلله ويقولون على ٱلله ٱلكذب وهم يعلمون﴾(۷۶) ان (یہودیوں) میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتابِ الٰہی کو زبان ٹیڑھی کر کے توڑ مروڑ کر اس لئے پڑھتے ہیں تاکہ تم اس (عبارت) کو کتاب ہی کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتابِ الٰہی کا حصہ نہیں ہوتی ہے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ (ہرگز) اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی ہے اور یہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں۔

اسی طرح روافض بھی موجودہ قرآن مقدس کو بایں دعویٰ ناقص سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ آیتیں ایسی ہیں جو موجودہ متداول مصحف میں نہیں ہیں۔(۷۷) درحقیقت روافض اپنے اس کذب بیانی اور افتراپردازی کے بموجب قرآن کے الفاظ﴿فمن أظلم ممن ٱفترىٰ على ٱلله كذبا ليضل ٱلناس بغير علم﴾(۷۸) کے بمصداق سب بڑے ظالم ہیں!!۔

---

(۷۶) آل عمران:۳/۷۸

(۷۷) شاید اسی قسم کے اشکالات وشبہات کا ازالہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس وقت کیا تھا جب آپ سے کسی سائل نے یہ سوال کیا تھا کہ:

ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يسر إليك؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو رازداری سے کیا بتایا کرتے تھے؟

تو آپ نے انتہائی غصے میں اسے جواب دیا:

ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يسر إلي شيئا يكتمه الناس "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کوئی راز کی بات نہیں بتائی ہے جس کو آپ نے بقیہ لوگوں سے چھپایا ہو۔(صحیح مسلم، کتاب الاضاحي، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالی برقم:۱۹۷۸)

چنانچہ امام نووی (۶۳۱ھ_۶۷۶ھ) رحمہ اللہ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"فيه إبطال ما تزعمه الرافضة والشيعة والإمامية من الوصية إلى علي وغير ذلك من اختراعاتهم"

۸۔روافض کی حدیثیں بے سند ہونے میں یہود ونصاریٰ کی مشابہت:

آپ جب روافض کی امہات الکتب پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ یہود و نصاری کی کتابوں کی طرح بے سند ہیں، اگر سندیں ہیں بھی تو ان کذابین اور جھوٹوں سے جو کسی بھی قیمت پر قابل استناد اور لائق اعتبار نہیں ہو سکتیں۔ **(۷۹)**

اس حدیث کے اندر امامیہ، رافضی شیعوں کے اس عقیدے کی تردید ہوتی ہے جو وصیت علی اور اس کے علاوہ دیگر ہفوات وبکواسات سے متعلق وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔

(۷۸) انعام: ۶/ ۱۴۴

(۷۹) شیعوں کی کتابوں میں بعض صحیح احادیث ملتی ہیں لیکن شیعی طرق سے نہیں، بلکہ اہل سنت محدثین کی اسانید سے، حتی کہ ان کے یہاں اہل سنت محدثین کی مرویات کے سوا ایک بھی صحیح حدیث نہیں ملتی ہے۔ایسا اس لئے کیوں کہ صحتِ حدیث کے لئے جن شرطوں کا پایا جانا لازمی ہے اسے روافض کے یہاں کسی بھی صورت میں بروئے کار نہیں لایا جاسکتا ہے کہ کذب بیانی اور دروغ گوئی میں اعلی صلاحیت رکھنے والی اس متفقہ جھوٹی قوم کی عدالت کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے، جو کہ صحیح حدیث کی بنیادی شرط ہے۔بنابریں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و مفاريد الرافضة التي تدل على غاية الجهل والضلال كثيرة"

روافض کے یہاں جہالت وگمراہی پر مبنی حدیثی تفردات کی بھرمار ہے۔(منهاج السنة النبوية: ۵/۱۷۷)

مزید فرماتے ہیں:

وأما الحديث فهم من أبعد الناس عن معرفته: لا إسناده ولا متنه، ولا يعرفون الرسول وأحواله، ولهذا إذا نقلوا شيئا من الحديث كانوا من أجهل الناس به، وأي كتاب وجدوا فيه ما يوافق هواهم نقلوه، من غير معرفة بالحديث..."

جہاں تک حدیث کی بات ہے تو روافض حدیث اور اس کی سند ومتن کی معرفت کے اعتبار سے سب سے بڑے جاہل اور نابلد ہیں، انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے احوال وسیر کے بارے میں کچھ نہیں پتہ ہے، اسی لئے جب بھی یہ حدیث میں کبھی ہاتھ لگاتے ہیں تو اپنی جہالت کا منہ بولتا ثبوت پیش کرتے ہیں اور جس کسی کتاب میں بھی اپنے من موافق انہیں کچھ باتیں مل جاتی ہیں، اسے بغیر کسی حدیثی معرفت کے نقل کر دیتے ہیں۔(منهاج السنة النبوية: ۶/ ۳۸۱)

۹۔یہودیوں کا سیدہ مریم علیہا السلام اور رافضیوں کا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگانے میں مشابہت:

یہ صریح کفریہ عمل ہے اس لئے کہ اس سے کلام الہی کی تکذیب اور امام الانبیاء علیہ السلام کی ہتکِ عزت اور تنقیص لازم آتی ہے۔جبکہ اللہ تعالی نے دونوں عفت مآب اور پاکدامن خواتین کو ان ملعونوں کی بہتان تراشیوں اور تہمت طرازیوں سے مبرا و منزہ قرار دیا ہے۔چنانچہ سیدہ مریم سلام اللہ علیہا کے یہاں جب (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) کی شکل میں بچے ولادت کی بشارت اور خوش خبری فرشتے نے دی تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس جھوٹ﴿یا مریم لقد جئت شيئا فريا﴾ (اے مریم تونے انتہائی بری حرکت کا ارتکاب کیا ہے) کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزاتی کلام سے واشگاف کیا جب آپ اپنی ماں کے گود میں رہتے ہوئے غیر متوقع انداز میں گویا ہوئے: ﴿إني عبد ٱلله آتاني ٱلكتاب وجعلني نبيا﴾(۸۰) میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔

مزید برآں ان کے اس کذب و افتراء سے بری کرنے کے لئے خود سیدہ مریم کے تزکیتی کلام کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا: ﴿ولم يمسسني بشر ولم أك بغيا﴾(۸۱) مجھے کسی انسان کا ہاتھ بھی نہیں لگا ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔

اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جب لوگوں نے پروپیگنڈہ کیا تو اللہ رب ذوالجلال نے سورۂ نور کی سولہ آیتوں کو نازل کرکے آپ رضی اللہ عنہا کی عفت و پارسائی پر مہر تصدیق ثبت کرکے قیامت تک کے لئے بدباطن روافض کو مہر بلب کردیا اور حقیقت مخالف ماحول بنانے والوں کو جھوٹا قرار دیا۔﴿إن الذين جاوو بالإفك عصبة منكم﴾(۸۲)

---

(۸۰) مریم:۱۹/ ۳۰

(۸۱) مریم:۱۹/ ۲۰

(۸۲) نور:۲۴/ ۱۱

۱۰۔ روزہ افطاری کے وقت تاخیر کرنے میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا يزال الدين ظاهرا ما عجل الناس الفطر؛ لأن اليهود والنصارى يؤخرون" **(۸۳)** لوگوں میں اس وقت تک خیر و بھلائی باقی رہے گی، جب تک وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (ت ۸۵۲ھ) رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابن دقیق العید (ت ۷۰۲ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں: "في هذا الحديث رد على الشيعة في تأخيرهم الفطر إلى ظهور النجوم ولعل هذا هو السبب في وجود الخير بتعجيل الفطر، لأن الذي يؤخره يدخل في فعل خلاف السنة" **(۸۴)** اس حدیث میں شیعوں کے اس عمل کی تردید ہے جو وہ لوگ روزہ افطار کو ستاروں کے نکل جانے تک مؤخر کرتے ہیں۔

۱۱۔ غیروں کے اموال و جائیداد کو اپنانے میں یہود کی مشابہت:

اللہ تعالیٰ یہود کے اس استغلالی فکر اور استحصالی ذہنیت کو یوں بیان فرماتا ہے: ﴿ومن أهل ٱلكتاب من إن تأمنه بقنطار يؤده إليك ومنهم من إن تأمنه بدينار لايؤده إليك إلا ما دمت عليه قايما ذلك بأنهم قالوا ليس علينا في ٱلأميين سبيل ويقولون على ٱلله ٱلكذب وهم يعلمون﴾ **(۸۵)** بعض اہل کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر آپ انہیں ڈھیر سارے خزانوں کا بھی امین بنادیں تو وہ آپ کو واپس کر دیں گے اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ انہیں ایک دینار بھی امانت دیں تو آپ کو وہ بھی ادا نہیں کریں گے الا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو، ان کا یہ طرز عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ اَن پڑھوں (غیر یہودی عربوں) کے معاملے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اور اس طرح وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں۔

---

(۸۳) سنن أبي داود، كتاب الصوم، باب مايستحب من تعجيل الفطر برقم (۲۳۵۳) حسنه الألباني في جلباب المرأة ص: ۱۷۶

(۸۴) فتح الباري شرح صحيح البخاري: ۵/۲۵۲

(۸۵) آل عمران: ۳/۷۵

یہودیوں کی یہی خود مالکانہ سوچ رافضیوں کے یہاں بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ یہی وہ لوگ ہیں جو بہت سارے لوگ کا مال جھاڑ پھونک، تعویذات اور منتروں کے نام پر کھاتے ہیں، صاحبِ "مواہب" محمد بن احمد بن حسن بن قاسم مہدی(۱۰۴۷ھ_۱۱۳۰ھ) کا یہ دعویٰ تھا کہ یمن کی پوری ملکیت اسی کی جاگیر ہے، اس لئے کہ بزعم خویش اسی نے ترک "کافروں" سے یمن کو پاک کیا تھا، یمن کے ایک علاقے "صفراء" کا حاکم ہاشمی کہتا تھا کہ لوگوں کے اموال وثروات ہمارے لئے حلال ہیں۔(۸۶)

---

(۸۶) اس نظریے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ روافض کے نزدیک دشمنانِ اہل بیت (سنی مسلمان) یہ حربی کفار کے حکم میں داخل ہیں لہذا ان کے ساتھ وہی احکام وقوانین نافذ ہوں گے۔

ملا باقر مجلسی نے اپنی سند سے ابن فرقد کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اس نے ابوعبداللہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

"ماتقول في قتل الناصب"

ناصبی (اہل سنت مسلمانوں) کو قتل کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

آپ نے فرمایا:

"حلال الدم أتقي عليك، فإن قدرت أن تقلب عليه حائطا أو تغرقه في ماء لكي لايشهد به عليك فافعل"

اس کا خون حلال ہے (لیکن ایسی حالت میں اس کی طرف سے) مجھے تمہارے بارے میں ضرر کا اندیشہ لاحق ہے لہذا اگر تمہارے بس میں ہو تو اس کے اوپر دیوار گرا کر یا اسے کہیں پانی میں ڈبا کر مار دو تاکہ وہ تمہارے خلاف گواہی بھی نہ دے سکے۔

پھر میں نے پوچھا کہ اس کے مال کو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: اسے برباد کردو۔(بحار الأنوار:۲۷/ ۲۳۱)

نعمت اللہ بن محمد الموسوی الجزائری(۱۰۵۰ھ_۱۱۱۲ھ) نے شیخ الطائفۃ الشیعیۃ ابو جعفر محمد الطوسی(۳۸۵ھ_۴۶۰ھ) کی کتاب "تہذیب الاحکام"(۴/ ۱۲۲) میں ایک روایت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"خذ مال الناصب حيث وجدت وابعث إلينا الخمس"

نواصب کے اموال کہیں بھی ملیں اسے رکھ لو اور (ان کفار سے حاصل شدہ مال غنیمت کا) پانچواں حصہ ہمارے (یعنی امام وقت) کے پاس بھیج دو۔(الأنوار النعمانیۃ، ۲/۲٦٨)

یہی نعمت اللہ الجزائری مزید ایک جگہ لکھتا ہے کہ:

"يجوز قتلهم_أي النواصب_ واستباحة أموالهم"

ان ناصبی (اہل سنت مسلمانوں کا قتل کرنا اور ان کے خون کو بہانا جائز ہے۔(الأنوار النعمانیۃ:۲/۳۰۷)

ملاباقر مجلسی کا شاگرد رشید عبد اللہ بن نور اللہ البحرانی الاصفہانی نے آپ ہی سے ایک روایت یوں نقل کی ہے:

"مال الناصب وكل شيء يملكه حلال"

ناصبیوں کے جملہ ثروات وجائداد حلال ہیں۔(الحدائق الناضرۃ:۱۵۵)معاذ اللہ!

ہمارا ایمان ہے کہ روافض کے ان اکاذیب واباطیل سے سیدنا حسین اور اہل بیت کے دیگر معزز افراد بالکل بری ہیں۔البتہ ان جھوٹی روایتوں سے نہ صرف روافض کے نزدیک اہل سنت مسلمانوں کے جان ومال کی حلت واباحت معلوم ہوتی ہے بلکہ انہیں مارنے اور قتل کرنے کی ترغیب وتحریض بھی ثابت ہوتی ہے۔

فقیہِ وقت رافضی یوسف بن احمد الدراسی البحرانی(۱۱۰۷ھ_۱۱۸٦ھ) بلا کسی لاگ لپیٹ کے اہل سنت مسلمانوں کے خلاف یہ مجرمانہ اور سفاکانہ فتوی جاری کرتا ہے:

"إن إطلاق المسلم على الناصب وأنه لا يجوز أخذ ماله من حيث الإسلام خلاف ما عليه الطائفة المحقة سلفًا وخلفًا من الحكم بكفر الناصب ونجاسته وجواز أخذ ماله بل قتله"

ناصبیوں پر لفظ مسلم کے نام کا اطلاق کرنا اور (ان کے) اس اسلام کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے مال کو لینے اور چھیننے کو ناجائز سمجھنا یہ درحقیقت اس طریقہ کے برخلاف ہے جس پر حق پرست (شیعی) جماعت کے سلف وخلف گامزن تھے وہ یہ کہ ناصبیوں کی تکفیر کی جائے، انہیں نجس اور ناپاک سمجھا جائے اور نہ صرف ان کے مال کو سلب ونہب، ہڑپ اور چھین کا نشانہ بنایا جائے بلکہ انہیں قتل بھی کیا جائے۔(الحدائق الناضرۃ في أحکام العترۃ الطاهرۃ:۱۲/۳۲۴-۳۲۳)

علاوہ ازیں بے شمار روایات ومنقولات اس باب میں وارد ہیں جو صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نواصب یعنی اہل سنت مسلمانوں کے جان ومال کو روافض حربی کافروں کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ کہیں ناموافق حالات کے وجہ سے "تقیہ" کرتے ہوئے یہ

۱۲۔ کتاب الٰہی کو تحریف و تبدیل کرنے میں یہود مشابہت :

یہود کی اس مذموم صفت کا تذکرہ قرآن مجید نے ایک سے زائد مرتبہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أفتطمعون أن يؤمنوا لكم وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون﴾(۸۷) کیا تم اب بھی ان (یہودیوں) سے توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ کا کلام سنتے ہیں، پھر اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی جانتے بوجھتے اس کی تحریف کر ڈالتے ہیں۔

تحریفِ قرآن کے بارے میں روافض کی کارستانیاں خارج از بیان ہیں، بطور مثال سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہی لے لیں ﴿إن الله يأمركم أن تذبحوا بقرة﴾ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، انہوں نے کہا کہ یہاں

ملعون اس کا انکار کرتے ہیں جس سے بسا اوقات بعض اہل سنت مسلمان تو اتحاد امت کے نام پر ہمدردی کے مارے پھولے نہیں سماتے ہیں۔ ورنہ آج بھی جن ممالک میں یا بعض مقامات پر جہاں کہیں بھی ان کا غلبہ اور تسلط ہے، وہ برملا طور پر اپنے اس خبیث متفقہ عقیدے کا اظہار بھی کرتے ہیں اور عملاً انجام بھی دیتے ہیں، لہذا کسی بھی شخص کو روافض کے وقتی و مصلحتی توقفات سے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے۔ کچھ نہیں تو عصر حاضر کے مجدد رافضیت ملعون خمینی ہی کو دیکھ لیں جس نے ان تمام رافضی غلاظتوں کو نئے صفحات میں انڈیلتے ہوئے مزید تقویت بہم پہنچائی ہے، لکھتا ہے:

"والأقوى إلحاق الناصب بأهل الحرب في اباحة ما اغتنم منهم و تعلق الخمس به، بل الظاهر جواز اخذ ماله این وجد وبأي نحو كان ووجوب إخراج خمسه" قوی ترین بات یہ ہے کہ مال غنیمت اور خمس کی اباحت وجواز کے سلسلے میں ناصبی (اہل سنت مسلمانوں) کو حربی کفار کے ساتھ رکھا جائے۔ بلکہ اس کے مال کو کہیں سے بھی، کسی بھی صورت میں لینا اور اس میں سے پانچواں حصہ نکالنا جائز ہے۔ (تحریر الوسیلۃ: ۱/ ۳۱۸)

(۸۷) بقرہ: ۲/ ۷۵

"گائے" سے مراد "عائشہ" ہے۔ اسی طرح قرآن کی آیت کریمہ میں "الجبت والطاغوت" سے ابو بکر و عمر مراد ہیں، میں (مقبل الوادعی) نے اسماعیلیوں کی کسی کتاب میں اسے پڑھا ہے)(۸۸)

---

(۸۸) سید محمد رضی رضوی نے اپنی کتاب "كذبوا علی الشيعة" ص: ۲۴۶ کے اندر سرے سے اس امر کی تکذیب کی ہے اور اسے شیعوں پر جھوٹا الزام اور بہتان تراشی قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی تحریفِ قرآن کا یہ گندہ اور مجرمانہ عقیدہ روافض کے متفقہ بنیادی عقائد میں سے ہے- چنانچہ سلیم بن قیس ہلالی (ت ۹۰ھ) ایک لمبی روایت بیان کرتا ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے:

"عمر کے زمانے میں کاتبین وحی قرآن لکھ رہے تھے کہ اچانک ایک بکری نے آکر اسے کھالیا اور اس میں جو کچھ بھی تھا بکری اسے لے کر چلتی بنی، اس وقت عثمان بھی کاتب تھے، (راوی کہتا ہے کہ) میں نے خود عمر، ان کے اور عثمان کے زمانۂ خلافت میں قرآن کی تالیف و تدوین کرنے والے افراد کی زبانی یہ بات سنی ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی، سورۂ نور میں (چونسٹھ آیتوں کے بجائے) ایک سو ساٹھ آیتیں تھی، سورۂ حجرات میں (اٹھارہ آیات کے بجائے ساٹھ آیتیں تھیں اور سورۂ حجر میں ایک سو نوے آیتیں تھیں"(کتاب سلیم بن قیس ص: ۱۲۲)

شیعوں کا شیخ المشائخ علي بن ابراہیم القمي (ت ۳۲۹ھ) اپنی تفسیر کے مقدمے میں لکھتا ہے: "قرآن کی کچھ آیتیں ناسخ ہیں اور کچھ منسوخ، کچھ محکم ہیں اور کچھ متشابہ، عام بھی ہیں اور خاص بھی، ان میں بعض مقامات پر تقدیم و تاخیر بھی واقع ہوئی ہے، کچھ منقطع ہیں اور کچھ عطف شدہ، بعض جگہوں پر حروف میں تحریف ہوئی ہے اور کچھ آیتیں اللہ کی نازل کردہ اصل و حقیقت کے برخلاف بھی (معاذ اللہ درج کی گئی) ہیں" (تفسیر القمي: ۱/۵)۔

محمد بن یعقوب کلینی نے امام ابو جعفر صادق (ت ۱۴۸ھ) رحمہ اللہ سے یہ روایت نقل کی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: "ما من أحد من الناس يقول إنه جمع القران كله كما أنزل الله إلا كذاب وما جمعه وما حفظه كما أنزل الله إلا علي بن ابي طالب والأئمة بعده" کسی کذاب اور جھوٹے شخص کے علاوہ اب تک کسی نے یہ دعوی نہیں کیا ہو گا کہ قرآن کی ویسے ہی جمع و تدوین کی ہوئی ہے جس شکل میں اللہ نے اسے نازل کیا تھا۔ اس کی اصلی شکل و صورت میں اگر کسی نے جمع کیا ہے یا اسے یاد کیا تو وہ علی بن ابی طالب اور ان کے بعد کے ائمہ (اہل بیت) ہیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ: "ما يستطيع أحد أن يدعي أن عنده جميع القرآن كله ظاهره وباطنه غير الأوصياء" اوصیاء (ائمۂ شیعہ) کے علاوہ کوئی بھی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا ہے کہ اس کے پاس مکمل قرآن ظاہری و باطنی صورت میں موجود ہے۔ (روضة الكافي: ۱/۲۲۸)۔

امام محمد بن علی شوکانی (۱۱۷۳ھ_۱۲۵۰ھ) رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:شیعوں نے اپنی تفسیر میں "مرج البحرین" سے مراد علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما اور "اللؤلؤ والمرجان" سے مراد حسنین کریمین کو لیا ہے۔(۸۹) اسی طرح ایک غالی رافضی عبد الحسین شرف الدین موسوی عاملی (۱۲۹۰ھ_۱۳۷۷ھ) نے اپنی کتاب "المراجعات المظلمة" اس قبیل کی بہت سارے قرآنی تحریفات کا تذکرہ کیا ہے۔

ملاحظہ:-

چونکہ اس (مضمون) میں روافض کے ساتھ یہودیوں کی مشابہت کے چند گوشوں اور پہلوؤں کا تذکرہ کیا گیا ہے لہذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان (روافض ویہود) دونوں کا حکم یکساں ہے بلکہ یہاں روافض کی مذمت مقصود ہے تاہم اگر یہود سے روافض کی مشابہت اس اعتقاد کی بناپر ہے کہ مشابہتِ یہود اسلام سے بہتر یا اس کے مماثل ہے تو ظاہر ہے کہ "من تشبه بقوم فهو منهم" کے مطابق دونوں کے احکام میں کوئی تفریق نہیں ہوگی، البتہ جاہل عوام اس حکم سے یقینا مستثنی ہوں گی۔ **(۹۰)**

عصر حاضر کے ایک زبردست اور جلیل القدر عالم دین فرق باطلہ کے لیے شمشیر براں علامہ احسان الہی ظہیر (ت۱۹۸۷) رحمہ اللہ نے لطف اللہ الصافی کے رد میں "الشيعة والقرآن" نامی کتاب تالیف کی جس میں آپ نے تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی ایک ہزار سے زائد شیعی روایات کو ذکر کیا ہے اور اس ملعون قوم کے چہرے سے منافقانہ چادر کو کھینچ پھینکا ہے۔

(۸۹) بحار الانوار للمجلسی ۲۴/۹۷

(۹۰) اسی طرح تقیہ، جھوٹ، چال بازی، مکاری، عیاری اور کذب ونفاق غرضیکہ ہر طرح کی معنوی ومادی فریبی ہتھیار اور ہتھکنڈے کو یہود وروافض دونوں اپنے مخالفین کے لئے استعمال کرنا روا سمجھتے ہیں بلکہ شیعوں کے یہاں تقیہ کی اتنی اہمیت ہے کہ امام جعفر صادق کی طرف منسوب قول "تسعة أعشار الدين في التقية، لا دين لمن لا تقية له" (الكافي ۲/۱۷۲) کے مطابق اسے دین کے دس حصوں میں سے نو حصہ قرار دیا گیا ہے بلکہ آپ کی جانب یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے کہ:

"التقية ديني ودين آبائي ولا ايمان لمن لا تقية له "تقیہ میرا اور ہمارے آباء واجداد کا دین ہے جس کے یہاں تقیہ نہیں اس کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے" (الكافي للكليني ۲/۲۱۹)

یہود اور روافض دونوں کے درمیان اس بات میں ابھی قدرے مشارکت پائی جاتی ہے کہ یہ دونوں -معاذاللہ- ندامت وپشیمانی اور غفلت وجہالت اللہ جل شانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اس طرح کی یہودی اللہ کی طرف ندامت وشرمندگی کی نسبت کرتے ہیں اور روافض کے یہاں عقیدۂ "بداء" پایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ کو لاعلمی اور ناواقفیت کے بعد کسی امر کا انکشاف ہوتا ہے۔تعالی اللہ عما یقولون.

عقیدۂ وصیت میں بھی دونوں میں بایں طور پر مشابہت پائی جاتی ہے کہ یہودیوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یشوع کو موسی کا "وصی" بنایا تھا اسی طرح رافضیوں نے سیدنا علی کو رسول اللہ کا "وصی" ثابت کرنے کے لئے متعدد روایتیں گھڑی ہے جو ان کے بنیادی عقائد کا حصہ بھی ہے۔ بلکہ یوں کہیں کہ اس عقیدے کا ماخذ ہی یہودی عقائد ونظریات ہیں تو بے جانہ ہوگا۔اسی طرح حکومت وبادشاہت کو مخصوص خاندان اور قبیلے میں محصور کرنے میں بھی ان دونوں کے مابین غایت درجے کی مشابہت پائی جاتی ہے، ایک طرف یہودیوں نے اسے آل داود کے ساتھ خاص کیا تو دوسری طرف رافضیوں نے امامت وپیشوائی کو اولادِ حسین میں محصور کرنے کوششیں کیں۔

اس کے علاوہ مزید تفصیل کے لیے شیخ عبد اللہ الجمیلی کی کتاب "**بذل المجهود في إثبات مشابهة الرافضة لليهود**" ملاحظہ فرمائیں۔

عبدالعزیز یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

لفظ "منہج" پر اعتراض اور اس کے جوابات(۹۱) (قسط دوم)

پہلی قسط میں یہ باتیں زیر بحث آئیں کہ اہل عرب لفظ "منہج" کا استعمال صراط، طریق، سبیل، مسلک، مذہب کے معنی میں کرتے ہیں، نیز قرآن کریم میں بھی لفظ "منہاج" کا ذکر ہے اور کئی احادیث نبویہ میں لفظ "منہج" کو لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اب دوسری قسط ملاحظہ فرمائیں:

چوتھا نکتہ:

آثار صحابہ میں لفظ "منہاج" کا ذکر:

۱) علی رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی موت کے بعد ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا: "....ولَزِمْتَ مِنْهاجَ رَسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم إذ هَمُّوا...." (اور آپ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو لازم پکڑا جبکہ لوگ آزمائش میں پڑ گئے۔۔۔)۔ (۹۲)

۲) ابو لؤلؤۃ فیروز نامی مجوسی نے خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر سے وار کیا، حملہ اس قدر سخت تھا کہ آپ بھیانک طریقے سے زخمی ہو گئے، اور اسی میں آپ شہید ہو گئے۔ وفات سے پہلے زخمی حالت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ان

---

(۹۱) مذکورہ اعتراض صوبہ مغربی بنگال کے بنگلہ زبان کے معروف ومشہور مقرر نے کیا ہے جو اہل حدیث کے جلسوں اور محفلوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں، یہ خود کو بظاہر اہل حدیث باور توکراتے ہیں لیکن حقیقت میں سلفی منہج کا مذاق اڑاتے ہیں، شکوک وشبہات پیدا کرکے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ہمارے مابین رہ کر ہمیں ہی نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ شخص ایک خاص گروپ کی طرف انتساب رکھتے ہیں جس کے بہت سارے شذوذ وتفردات اور سلفی منہج کے کئی اہم اصول وضوابط پر اس کے شبہات ہیں۔

(۹۲) "السنة" از: أبو بكر الخلال ۳۵۰/۲۸۳/۱، "الشريعة" از: الآجري ۱۸۳۳/۲۳۴۱/۵، "معرفة الصحابة" از: أبو نعيم ۸۹۴/۲۶۴/۱۔

کے پاس عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے اور ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: "…. ثمَّ قُبِض رسولُ اللهِ وهو عنكَ راضٍ فوازَرْتَ الخليفةَ بعدَه على مِنهاجِ رسولِ اللهِ…." ۔(۔۔۔جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی رہتے ہوئے اس دارفانی سے رخصت ہوئے تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج کو بنیاد بنا کر ان کے خلیفہ (ابو بکر) کی نصرت وتایید کی۔۔۔")۔ (۹۳)

۳) وعن حذيفة بن اليمان قال: يا أيُّها النَّاسُ، ألَا تَسألوني؟ فإنَّ النَّاسَ كانوا يَسألونَ رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم عن الخَيرِ، وكُنتُ أسألُه عن الشَّرِّ، إنَّ اللهَ بَعَثَ نَبيَّه صلَّى اللهُ عليه وسلَّم فدَعا النَّاسَ مِن الكُفْرِ إلى الإيمانِ، ومِن الضَّلالةِ إلى الهُدَى، فاستَجابَ له مَن استَجابَ، فحَيِيَ مِن الحَقِّ ما كان ميِّتًا، وماتَ مِن الباطِلِ ما كان حيًّا، ثم ذَهَبَتِ النُّبوَّةُ، فكانتِ الخِلافةُ على مِنْهاجِ النُّبوَّةِ."

"اے لوگو! آپ ہم سے سوال کیوں نہیں کرتے؟ صحابہ کا یہ حال تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ سوال کرتے رہتے تھے،(فرق یہ تھا کہ) وہ لوگ خیر کے سلسلے میں پوچھتے اور میں شر کے بارے میں۔ بے شک اللہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تو انہوں نے کفر کے دلدل میں پھنسے لوگوں کو ایمان کی پاکیزگی کی طرف دعوت دی، اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لے آئے۔ جن کو ایمان لانا تھا وہ ایمان لائے (اور جنہوں نے یہ دعوت قبول نہیں کی وہ ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کفر وشرک پر اڑے رہے) پس جو روح مر چکی تھی وہ حق کی بدولت دوبارہ زندہ ہوئی، اور جو زندہ تھی اسے باطل نے معنوی موت دے دی۔ پھر ہوا یہ کہ نبوت کا دور ختم ہو گیا اور نبوی طریقے پر خلافت قائم ہوئی"۔ (۹۴)

۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿الم أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ [العنكبوت: ٢]، قَالَ: «كَانَ اللهُ تَعَالَى يَبْعَثُ النَّبِيَّ إِلَى أُمَّتِهِ فَيَلْبَثُ فِيهِمْ إِلَى انْقِضَاءِ أَجَلِهِ مِنَ الدُّنْيَا، ثُمَّ يَقْبِضُهُ اللهُ تَعَالَى إِلَيْهِ فَتَقُولُ الْأُمَّةُ مِنْ بَعْدِهِ – أَوْ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ: إِنَّا عَلَى مِنْهَاجِ النَّبِيِّ وَسَبِيلِهِ، فَيُنْزِلُ اللهُ تَعَالَى بِهِمُ الْبَلَاءَ، فَمَنْ ثَبَتَ مِنْهُمْ عَلَى مَا كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ فَهُوَ الصَّادِقُ، وَمَنْ خَالَفَ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ الْكَاذِبُ»۔

---

(٩٣) "المعجم الأوسط" از: الطبراني في ۵۷۹/۱۸۱/۱، تاریخ ابن عساکر ۴۴/۴۴۲۔

(٩٤) مسند أحمد (حدیث نمبر ۲۳۴۳۲) شعیب ارنوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، أبو نعیم نے بھی "حلیۃ الأولیاء" میں اسے روایت کیا ہے (۱/۲۷۴)۔

(ابن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کی آیت ﴿الم أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اللہ تعالی سابقہ امتوں کی طرف اپنے انبیاء کو بھیجتے جو اپنی امتوں کے مابین عمر بھر ٹھہرتے پھر جب ان کی وفات ہو جاتی تو ان کے امتی کہتے: ہم اپنے نبی کے راستے پر قائم ہیں، اللہ تعالی ان کا امتحان لیتے ہوئے ان پر آزمائش نازل کرتا پس جو شخص نبی کی راہ پر ثابت قدم رہتا وہ سچا ٹھہرتا اور جو بے راہ روی کا شکار ہوتا وہ اپنے دعوی میں جھوٹا نکلتا"۔ (۹۵)

۵) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: عَلَيْكُمْ بِالسَّبِيلِ وَالسُّنَّةِ، فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى سَبِيلٍ، وَسُنَّةٍ ذَكَرَ الرَّحْمَنَ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ فَمَسَّتْهُ النَّارُ أَبَدًا، وَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ عَلَى سَبِيلٍ، وَسُنَّةٍ ذَكَرَ اللهَ فَاقْشَعَرَّ جِلْدُهُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ إِلَّا كَانَ مَثَلُهُ كَمَثَلِ شَجَرَةٍ يَبِسَ وَرَقُهَا، فَهِيَ كَذَلِكَ إِذْ أَصَابَتْهَا رِيحٌ فَتَحَاتَّ وَرَقُهَا عَنْهَا إِلَّا تَحَاتَّتْ خَطَايَاهُ، كَمَا يَتَحَاتُّ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ وَرَقُهَا، وَإِنَّ اقْتِصَادًا فِي سُنَّةٍ وَسَبِيلٍ خَيْرٌ مِنِ اجْتِهَادٍ فِي غَيْرِ سُنَّةٍ وَسَبِيلٍ، فَانْظُرُوا أَعْمَالَكُمْ، فَإِنْ كَانَتِ اقْتِصَادًا وَاجْتِهَادًا أَنْ تَكُونَ عَلَى مِنْهَاجِ الْأَنْبِيَاءِ وَسُنَّتِهِمْ"۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: تم سبیل و سنت کو لازم پکڑو، بے شک جو سبیل و سنت پر قائم رہے اور خشیت الہی کے ساتھ اللہ کو یاد کر کے روئے اسے جہنم کی آگ کبھی بھی چھو نہیں سکتی، اور جو شخص سبیل و سنت پر قائم رہ کر اللہ سے ڈرتے ہوئے اسے یاد کرے اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائے تو اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جائیں گے جس طرح درخت کے سوکھے پتے ہوا چلنے پر جھڑ جاتے ہیں۔ اور سبیل و سنت پر چلتے ہوئے اعتدال کو ملحوظ رکھنا بہتر ہے سبیل و سنت کے علاوہ امور میں اجتہاد کرنے سے، تم اپنے اعمال کو ٹٹولو آیا وہ اعتدال اور اجتہاد دونوں صورتوں میں انبیاء کی راہ اور ان کی سنت پر مبنی ہیں یا نہیں!؟(۹۶)

(۹۵) "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" از: ابو نعیم ۱/۳۲۶۔

(۹۶) "المصنف" از: ابن أبي شيبة ۳۵۵۲۶/۲۲۴/۶، "الزهد" از: ابن المبارک (۸۷)، "المعرفة" از: يعقوب الفسوي ۳/۳۷۲، "شرح اعتقاد أهل السنة والجماعة" از: اللالكائي (۱۰)، "الزهد" از: أحمد بن حنبل ص ۱۹۶، "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء" از: ابو نعیم ۱/۲۵۲، "تلبيس إبليس" از: ابن الجوزی (ص ۱۶)۔

٦) عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (لم يمت رسول الله ﷺ حتى تركَكم على طريق ناهجة). (٩٧) "اللہ کے رسول کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ وہ تم لوگوں کو ایک واضح اور روشن راستے کی طرف رہنمائی نہیں کی!"۔

"طريق ناهجة" کہتے ہیں واضح اور روشن راستہ کو۔ (٩٨)

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ آثار صحابہ میں منہاج النبوہ کا ذکر متعدد بار ہوا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ وسلف صالحین اسی منہج پر قائم تھے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں اس کی صراحت کی ہے:

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا«.... وَإِنَّ بني إسرائيل تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً»، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي». (٩٩)

---

(٩٧) "المصنف" از: عبد الرزاق «٥/۴٣۴» "السنن" از: الدارمي «١/٣٩» "الطبقات الكبرى" از: ابن سعد: «٢/٢٢٦»۔

(٩٨) دیکھئے "الغريبين" از: أبو عبيد الهروي ٦/١٨٩٨، "غريب الحديث" از: الخطابي ٢/٢۴١، "غريب الحديث" از: أبو عبيد القاسم بن سلام ٣/٢٧٨۔

(٩٩) سنن الترمذي (٣٨)- كتاب أبواب الإيمان ، باب ما جاء في افتراق هذه الآمة، رقم الحديث: ٢٦۴١ ، "المعجم الكبير" از: الطبراني ١۴٦۴٦/٥٣/١۴، مستدرک الحاکم رقم: ۴۴۴۔

امام حاکم فرماتے ہیں: (مستدرک ١/٢١٨): "هذه أسانيد تقام به الحجة في تصحيح هذا الحديث"۔ "یہ سب اسانید اس حدیث کو صحیح قرار دینے کی دلیل ہیں"۔

امام بغوي (شرح السنة ١/٢١٣) اور امام ابن العربي (أحكام القرآن ٣/۴٣٢) نے اس حدیث کو ثابت کہا ہے۔

امام البانی "هداية الرواة" کے حاشیہ میں لکھتے ہیں (حدیث: ١٦٩): وجدت ما يقويه من طرق، فأخرجته في «الصحيحة»۔ (١٣۴٨)، وانظر رقم (٢٠٤) — فيها-۔ "اس حدیث کی کئی ایک سندیں مجھے ملی ہے جن سے حدیث کو تقویت پہنچتی ہے ان کی تخریج میں نے سلسلہ صحیحہ میں کی ہے"۔

"بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم کے مستحق ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہو گی؟ آپ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔

حافظ زین الدین العراقی (المغني صفحة: ۱۱۳۳) فرماتے ہیں: "أخرجه التِّرْمِذِيّ من حَدِيث عبد الله بن عَمْرو وَحسنه .... وَلأبي دَاوُد من حَدِيث مُعَاوِيَة وَابْن مَاجَه من حَدِيث أنس وعَوْف بن مَالك وَهِي الْجَمَاعَة وأسانيدها جياد." "اس حدیث کو امام ترمذی نے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے۔۔۔۔ اور سنن ابو داود میں یہ حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ سے اور سنن ابن ماجہ میں انس اور عوف بن مالک سے روایت ہے، یہ ساری سندیں جید ہیں، اس حدیث سے "الجماعۃ" مراد ہے" ان کی « الباعث علی الخلاص » (۱٦) کتاب دیکھئے۔

حافظ عراقی نے اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث کئی ایک صحابی سے مروی ہے جن میں انس رضی اللہ عنہ بھی ہیں ان کی حدیث کے بارے میں حافظ ابن کثیر «البداية والنهاية» (۲۷/۱) کہتے ہیں: "إسنادہ جید قوي علی شرط الصحیح" "اس کی اسناد قوی ہے اور صحیح کی شرط پر ہے"۔

اور امام سخاوی «الأجوبة المرضية» (۵٦۹/۲) کہتے ہیں: "رجاله رجال الصحيح" "اس کی سند میں موجود رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں"۔

شعیب الأرناؤوط اس باب میں مروی معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں « مسند أحمد حدیث ۱٦۹۳۷ »: "إسناده حسن وحديث افتراق الأمة منه صحيح بشواهده" "اس کی سند حسن ہے، بہرکیف افتراق امت والی حدیث شواہد کی بناپر صحیح ہے"۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیۃ (الفتاوی ۳۴۵/۳) فرماتے ہیں: "الْحَدِيثُ صَحِيحٌ مَشْهُورٌ فِي السُّنَنِ وَالْمَسَانِدِ"۔ "یہ حدیث صحیح ہے اور کتب حدیث مثلاً سنن اور مسند کی کتابوں میں مشہور ہے"

ابن عثیمین رحمہ اللہ (فتاوی نور علی الدرب ۲/۲) فرماتے ہیں:: "هذا الحديث صحيح، بكثرة طرقه، وتلقي الأمة له بالقبول، فإن العلماء قبلوه وأثبتوه حتى في بعض كتب العقائد"۔ "یہ حدیث کثرت طرق واسانید اور امت کا اسے قبول کرنے کی بنا پر صحیح ہے، بلکہ علماء نے اسے مقبول سمجھا ہے اور اسے عقیدہ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے"

اس حدیث کی تصحیح کرنے والے علماء کے اقوال کو بکثرت ذکر کرنے کا مقصد بعض فتنہ پرور لوگوں پر رد ہے جو اس حدیث کی تضعیف کرتے ہیں۔

A PEN WHICH HAS BEEN RAISED TO ASSIST, DEFEND THE PEOPLE OF TRUTH AND REFUTE FALSEHOOD AND ITS PROPONENTS IS THE BEST KIND.

(Imam Ibn Qayyim Rahimahullah: Al-Tibyan Fi Aemanil Qur'aan, Pg: 310)

Issue 8

Bi Monthly

Manhaj E-Salaf

MAGAZINE

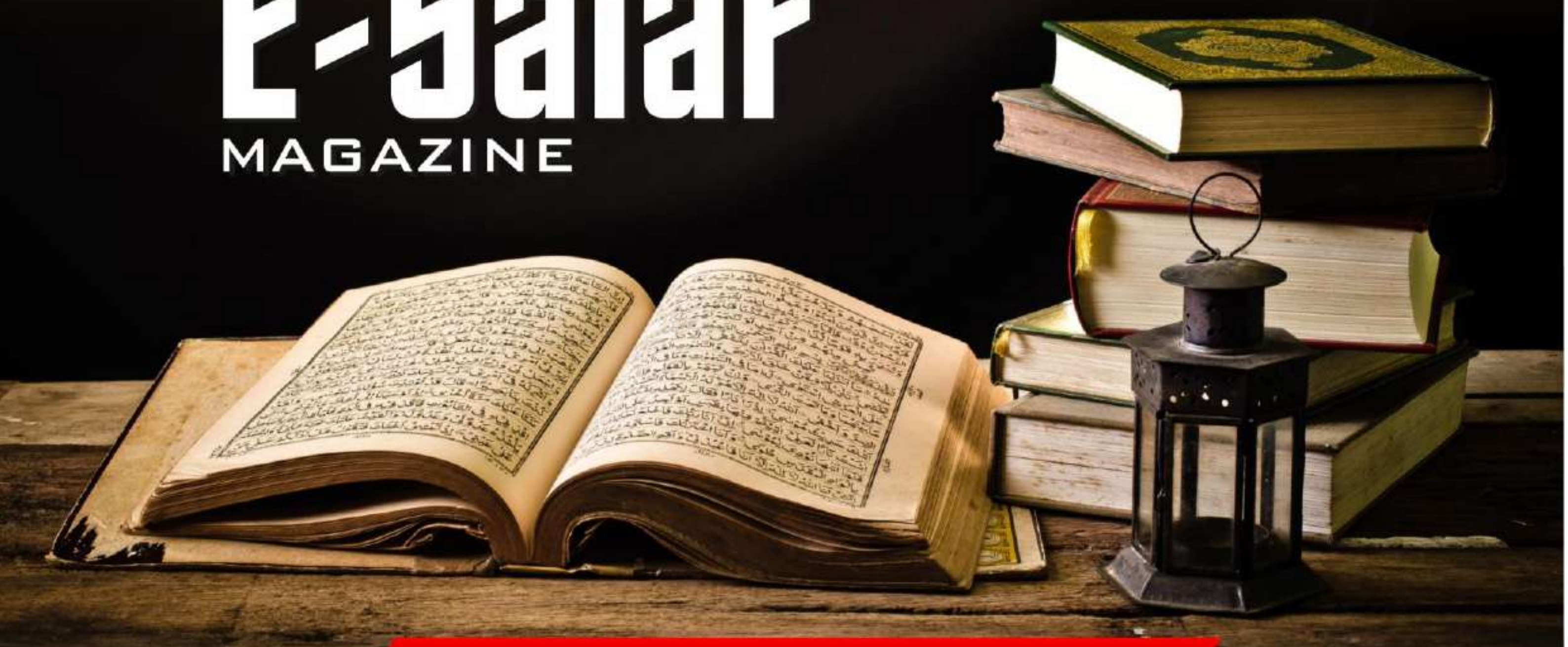

Edition-2| Issue-8| Dhu al Qiedah 1445| May 2024

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ
حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ
تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَا
لُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. (سنن الترمذي: 2641)

NARRATED 'ABDULLAH BIN 'AMR: THAT THE MESSENGER OF ALLAH (ﷺ) SAID: "WHAT BEFELL THE CHILDREN OF ISRA'IL WILL BEFALL MY UMMAH, STEP BY STEP, SUCH THAT IF THERE WAS ONE WHO HAD INTERCOURSE WITH HIS MOTHER IN THE OPEN, THEN THERE WOULD BE SOMEONE FROM MY UMMAH WHO WOULD DO THAT. INDEED THE CHILDREN OF ISRA'IL SPLIT INTO SEVENTY-TWO SECTS, AND MY UMMAH WILL SPLIT INTO SEVENTY-THREE SECTS. ALL OF THEM ARE IN THE FIRE EXCEPT ONE SECT." HE SAID: "AND WHICH IS IT O MESSENGER OF ALLAH?" HE SAID: "WHAT I AM UPON AND MY COMPANIONS."